

ماکبراے فریڈ

علیم الحق حق



ہلاک برائے فرزند

علیم الحق حقی

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7232336 فکس: 7352332

www.ilmoirfanpublishers.com. E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

انتساب!

کنزور حافظے کی مالک

عوام کے نام

جہاز کو فیک آف کیے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ جگدیش کا سامان کسٹم کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ ”باہر کا آپ کی منتظر ہے باس۔“ اس کے سیکرٹری نے اُسے بتایا۔ اُس نے سیکریٹری کی طرف دیکھے بغیر سر کو تھپی جنبش دی اور بہ دستور کسٹم آفیسر کو دیکھتا رہا، جو اُس کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے سامان سمیت ائر پورٹ کی عمارت سے باہر آیا۔ قلی نے اُس کا سامان کار کی ڈکی میں رکھا شوفر نے اُس کے لیے عقبی دروازہ کھولا اور وہ عقبی نشست پر پر نیم دراز ہو گیا۔ ”مالک صاحب گاندھی کلب میں آپ کے منتظر ہیں جناب۔“ شوفر نے بتایا۔ جگدیش نے سر ہلا دیا۔ اُس نے اب تک کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

دس منٹ کے بعد کار گاندھی کلب کے دروازے کے سامنے رُکی جہاں مالک پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ جلدی سے جگدیش کے برابر آ بیٹھا۔ کار آگے بڑھ گئی۔

”سجاش صاحب کا کیا حال ہے؟“ جگدیش نے مالک سے پوچھا، وہ یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکا تھا کہ مالک، سجاش کا سیکریٹری ہے، مالیاتی مشیر ہے یا باڈی گارڈ۔ شاید وہ تینوں کام کرتا تھا۔

مالک کچھ دیر سوچتا رہا۔ ”گزشتہ چھ ماہ میں درجنوں ڈاکٹر اُن کا معائنہ کر چکے

ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ باس کم از کم دس سال اور جیٹس گے۔“ بالآخر اس نے کہا۔

”اور اس میں پانچ سال قوت ارادی کے بھی شامل کرلو۔“ جگدیش نے ہنستے ہوئے کہا۔

”لیکن سہاش کا کہنا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔“

”میرے خیال میں تو وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔“

”میری ملاقات ہوگی اُن سے؟“

”یقیناً۔ انہوں نے آپ کو اسی لیے بلایا ہے۔“

”تمہیں کام کی نوعیت کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس سے بڑا کاروباری معاملہ اب تک نہیں نمٹایا گیا

ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ مالک نے جواب دیا۔

جگدیش سوچتا رہا چند منٹ بعد کار سہاش گپتا کی سلطنت میں داخل ہوئی، جو بے

حد وسیع و عریض تھی۔ سہاش گپتا کو کاروباری حلقے بڑے مشکوک لہجے میں ارب پتی قرار دیتے

تھے۔ اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ انہیں اُس کے ارب پتی ہونے میں شک تھا۔ بات صرف اتنی سی

تھی کہ سہاش گپتا کی دولت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ وہ دنیا کے دس امیر ترین افراد

میں سے ایک تھا۔

شوگر کار روکتے ہی پھرتی سے نیچے اُتر اور عقبی دروازہ کھول کر مودب کھڑا ہو گیا۔ وہ

دونوں کار سے اُترے! میں آپ کو فوری طور پر باس کے پاس لے چلوں گا۔“ مالک نے کہا۔

جگدیش، سہاش سے ایک سال بعد ملا تھا۔ اُسے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ

سہاش کی صحت پہلے کے مقابلے میں بہتر لگ رہی ہے۔ ڈاکٹروں کی بات پر یقین نہ کرنے کا

کوئی جواز نہیں تھا۔ سہاش کی آنکھوں میں زندگی بھی تھی اور وہ اضطراب بھی، جو اُسے ہر وقت کچھ

نہ کچھ کرتے رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ نہ صرف یہ کہ صحت مند دکھائی دے رہا تھا بلکہ اُسے دیکھ کر

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس کی عمر 72 سال ہے۔ وہ بستر پر دراز تھا جگدیش بستر کے برابر رکھی

ہوئی کرسی پر ٹپک گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن اس کے باہر دو مسلح ہاڈی گارڈ موجود تھے۔

”کیسے ہو جگدیش؟“ جگدیش کے بیٹھے ہی سہاش نے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیے۔“

”ڈیڑھ سال پہلے جو ایک ہوا تھا، اُس نے میری رفتار کم کر دی ہے۔ میں زیادہ دیر

بات نہیں کر سکتا، اس لیے وقت ضائع نہیں کروں گا۔ میں نے ایک بار تم سے کہا تھا کہ ہم کبھی

نہ کبھی کسی بڑے کام میں اشتراک ضرور کریں گے۔ اب اس کا وقت آ گیا ہے۔“

جگدیش نے اُس کو بہت غور سے دیکھا، وہ اُس کا آئیڈیل تھا ایک لمحہ کو اُس نے

سوچا کہ کیا وہ بھی زندگی کے آخری ایام سہاش کی طرح گزارے گا۔ کیا اس کے نزدیک بھی

کاروبار، اُن تھک کام اور رقومات کے اعداد کے علاوہ دنیا کی کسی چیز کی اہمیت نہیں رہے

گی، پھر اُس نے یہ خیالات ذہن سے جھٹک دیے۔ ”کام کی نوعیت تو بتائے۔“ اُس نے کہا۔

”میں پس منظر سے شروع کروں گا۔ یہ اعداد شمار میرے اسٹاف نے مرتب کیے

ہیں۔ میری اور تمہاری کمپنی سمیت 62 کمپنیاں ایسی ہیں، جو دنیا بھر کے چالیس فیصد اثاثوں کی

مالک ہیں۔

جگدیش نے ایک لمحے اس بیان پر غور کیا۔ یہ شماریاتی تجزیہ وہ پہلے بھی سن چکا تھا۔

”ہم وہ بد نصیب لوگ ہیں جو طاقت ور ہیں، اس کے باوجود ہمارے ساتھ حکومتوں

کا رویہ اچھا نہیں ہے۔ ہم محنت کرتے ہیں، سرمایہ لگاتے ہیں، لوگوں کو روزگار فراہم کرتے ہیں۔

ناکامی کا خطرہ اور ناکامی ہماری ہوتی ہے، جبکہ کامیابی کا بڑا حصہ ہم سے ٹیکس کے نام پر چھین لیا

جاتا ہے۔ یہ نہیں سوچا جاتا کہ اس کے کتنے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ

سرمایہ کاری کے بجائے سوشل لینڈ کے بینکوں میں کھاتے کھولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور یوں

کیونٹنوں کی بن آتی ہے۔ میں صنعت اور کاروبار میں نئے تجربے کیوں کروں؟ جبکہ مجھے علم

ہے، میرا بیشتر منافع حکومت چھین لے گی۔“

جگدیش سوچتا رہا۔ وہ سہاش کی ہر بات سے متفق تھا۔ سہاش کو اپنے باپ سے

ترکے میں تو لاکھ روپے ملے تھے۔ چالیس سال کے عرصے میں اُس نے اپنی ذہانت کے بل پر

اُس سرمائے کو کہاں کہاں پہنچا دیا تھا۔ اُس نے ہر کام میں تجربے کیے تھے۔ فلم انڈسٹری میں

بھی دلچسپی لی تھی۔ ملک کی سب سے باصلاحیت اداکارہ اسی کی دریافت تھی اور وہ فلم اُس نے

خود ہی ڈائریکٹ کی تھی۔

”اب صورت حال اتنی بگڑ گئی ہے کہ ہمیں معمولی منافع کے لیے بھی سخت جدوجہد

کرنا پڑتی ہے۔“ سہاش گپتا کہہ رہا تھا۔ ”اور اب حکومت ٹیکس سے بچنے کے تمام ذرائع ختم کرنے پر تل گئی ہے ساری دنیا کا یہی حال ہے۔ عنقریب انکم ٹیکس کے مشیروں پر پابندی لگا دی جائے گی تاکہ ہمارے لیے رہے سبے منافع کا دفاع بھی ناممکن ہو جائے لیکن ایک پہلو پر کسی نے نہیں سوچا ہم اپنے اثاثے..... اپنا تمام کاروبار اور صنعتیں اپنے اپنے ملکوں سے کہیں اور منتقل کر سکتے ہیں اور یہ اقدام غیر قانونی بھی نہیں ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ ممکن تو ہے لیکن ہم جائیں گے کہاں۔ چنانچہ تمہارا ایک ملک خریدنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں ایسے ملک میں منتقلی کی بات نہیں کر رہا ہوں، جہاں ٹیکس کے نام پر ظلم نہ توڑا جاتا ہو۔ میں سچ سچ کے ملک کی بات کر رہا ہوں۔ ہم ایک مکمل خرید لیں۔ اس طرح ملک کا نظام و نسق، اُس کی اسمبلی، اُس کی فوج سب کچھ ہمارا ہو پھر ہم اپنا سب کچھ وہاں منتقل کر دیں۔ اس صورت میں ہم اس استیصال سے بچ سکتے ہیں، جو ٹیکس کے نام پر کیا جاتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ کوئی ملک خریدنا بھی جاسکتا ہے..... مکمل ملک..... انتظامیہ اور فوج سمیت!“ جگدیش نے بڑے قخل سے پوچھا۔ اُس کے خیال میں بڑے میاں کا دماغ چل گیا تھا۔

”ہاں، ایسا ایک ملک موجود ہے۔ جنوبی امریکا کا ملک نکاراگوا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”میں جو بتا رہا ہوں تمہیں۔“ سہاش نے چڑچڑے پن سے کہا۔

”کیسے اور کتنے میں؟“

”تین ارب ڈالر میں۔ ایک ارب ڈالر فوری طور پر اور باقی دو ارب پانچ سال کے

عرصے میں ادا کرنے ہوں گے۔“

”یقین نہیں آتا۔“

”نگاراگو بہت عرصے سے برائے فروخت ہے۔ میں تمہیں اس کی تاریخ اور جغرافیہ

کے متعلق بتاتا ہوں۔ وہ وسطی امریکا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ آبادی بیس لاکھ کے لگ بھگ

ہے۔ 1936ء سے اُس کی باگ ڈور سموزا فیملی کے ہاتھوں میں ہے۔ سموزا کو بیس سال کی حکمرانی

کے بعد 1956ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا حکمران ہوا اور اب اس کا چھوٹا

بیٹا جنرل انٹونیو ملک کا سربراہ ہے۔ وہ اقتدار ہماری کسی کٹھ پتلی کو سونپ کر ملک سے باہر جانے کو تیار ہے۔ یقین کرو، یہ مستند صورت حال ہے۔“

”خریدنے والے کو تین ارب ڈالر کے عوض ملے گا کیا؟“

”سب کچھ..... پورا ملک، فوج کا سربراہ، انتظامیہ کا سربراہ، سب ہمارے ماتر دیکے ہوئے ہوں گے۔ اسمبلی ہماری مرضی کا آئین نافذ کرے گی۔ اقوام متحدہ میں ہمارا نامزد کردہ آدمی ملک کی نمائندگی کرے گا۔ جتنے عرصے میں ہم یہ تبدیلیاں کریں گے، جنرل انٹونیو بہ دستور ملک کا نظام چلاتا رہے گا۔ حسب سابق، اپنی ڈنڈے کے زور پر۔“

جگدیش نے اعتراضات سوچنے کی کوشش کی لیکن سب کچھ اس قدر اچانک سامنے آیا تھا کہ اُس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سہاش کنزرو بنیاد پر کبھی کوئی بات نہیں کرتا۔

حکومتیں ٹیکس میں بچت کی روک تھام کر سکتی ہیں۔ وہ ایک ایسے ملک کو نہیں مٹا سکتیں، جو اقوام متحدہ میں نمائندگی رکھتا ہو، جو وسطی امریکا کی سیاست میں اہم ترین حیثیت کا حامل ہو۔“ سہاش نے مزید کہا۔

”جنرل انٹونیو سے مذکرات کہاں تک پہنچے ہیں؟“ جگدیش نے دریافت کیا۔

”ابھی شروع ہوئے ہیں۔ میرا رابطہ دنیا کے نو بڑے سرمایہ داروں سے بھی ہے، وہ

بھی اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”بات کہاں تک پہنچی؟“

”تمام عناصر اکٹھا کر لیے گئے ہیں۔ اب انہیں یکجا کرنا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں

بھی اپنے نو دوستوں سے بات کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ عناصر کو یکجا کرنے کا کام تم کرو۔“

”میں!“ جگدیش کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

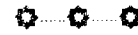


ٹھیک چھ بجے جگدیش نیویارک کے لیے روانہ ہو گیا۔ سہاش نے سات بجے مشہور زمانہ ارب پتی ادنا س کو فون کیا ”ادنا س، ہمارا دوست کام کرنے پر راضی ہو گیا ہے، لاطینی امریکا والے سلسلے میں۔“

”بہت خوب، اگر بات بن سکتی ہے تو اب یقیناً بن جائے گی۔“ اونا س کی آواز سنائی دی۔

”بات یقیناً بنے گی، نہ بننے کی کون سی بات ہے اس میں۔“
”دیکھیں گے۔“

سجاش نے ریسورر کھتے ہوئے اونا س کے رویے کے بارے میں سوچا کہ اونا س کے عدم یقین کا سبب معاہدے کی پیچیدگی ہے یا اُسکے ذہن میں یہ بات ہے کہ عناصر کی یکجائی تک جگہ لیش زندہ ہی نہیں رہے گا۔



”وہ نہیں آئے گا۔“ موٹے آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بہ غور دیکھتے ہوئے کہا۔ اُن کے نقوش اُنہیں لاطینی امریکا کا باشندہ ثابت کرتے تھے۔ اُسے اُن پر اعتماد نہیں تھا۔ اس کے خیال میں لاطینی امریکا کے لوگ اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ اُن پر اعتماد کیا جا سکے۔ ”میں جانتا تھا۔“ اُس نے کار سے باہر صحرا میں دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

وہ جس کار میں پام اسپرنگز آئے تھے، چوری کی تھی۔ اُنہیں جس شخص سے ملنا تھا، وہ لوئیس پانا کار ہنے والا تھا۔ موٹے شخص نے اس کے بارے میں خاصی تحقیق کی تھی۔ مطلوبہ شخص ہر فن مولا قسم کا آدمی تھا اور اب تک کئی پیشے بدل چکا تھا۔ وہ جو چیز فروخت کرنا چاہتا تھا، نا قابل یقین تھی لیکن تحقیق پر اُس کے ہر دعوے کی تائید ہوئی تھی۔ اُس نے فون پر کہا تھا کہ وہ فہرست اپنے ساتھ نہیں لائے گا کیونکہ پہلے قیمت کے سلسلے میں بات ہونا چاہیے۔ موٹے کا خیال تھا کہ ہدف نے یقیناً خطرہ بھانپ لیا تھا

وہ یہاں تک اُس شخص کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق پہنچے تھے، جسے یہاں اُن سے ملنا تھا۔ یہ علاقہ ہالٹ ڈیزرٹ کہلاتا تھا۔ وہ اس جھوپڑی تک پہنچ گئے تھے، جس پر اُن کے ہدف کا نقشہ ”ضرب“ کا نشان بنایا تھا۔ اس سفر کے لیے وہ کار نا مناسب تھی جو اُنہوں نے چرائی تھی۔ تاہم وہ کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی گئے تھے۔ البتہ کار کی حالت بے حد خستہ ہو گئی تھی۔

”وہ نہیں آئے گا۔“ موٹے نے پھر کہا اور جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنے

ریوالور کو چھوا۔ ”بس ہم دس منٹ اور انتظار کریں گے۔“ اُن نے غرا کر کہا۔ اُسے رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ اپنے ہدف پر بھی اور دونوں ساتھیوں پر بھی، جو اُس کے ساتھی ہرگز نہیں تھے۔ اُنہوں نے اُس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اُس نے تین ہفتے اُس ہدف کو تلاش کرنے اور اُس کا پس منظر معلوم کرنے میں گنوائے تھے اور ابھی تک اُسے معاوضے کے وعدوں کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

”وہ دیکھو۔“ رائفل بردار نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے ہجانی لہجے میں کہا۔ دور بہت دور جگہوں سے جمع رہے تھے جو یقیناً کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس تھیں۔ پانچ منٹ بعد فاصلہ کم ہونے پر اُنہیں احساس ہوا کہ وہ ایک ٹرک ہے۔ موٹے نے رائفل بردار کو اشارہ کیا۔ وہ گرد و پیش کی تاریکی میں گم ہو گیا۔ موٹا اپنے دوسرے ساتھی کی طرف مڑا۔

”تیار ہو جاؤ، مچھلی آ رہی ہے جال میں۔“
ٹرک اُن سے پچاس فٹ دور رک گیا۔ اُس میں سے ایک شخص برآمد ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

موٹا کار کے بونٹ پر ٹک گیا۔ ”تم بین ہو؟“ اُس نے نوارود سے پوچھا۔ نوارود نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”جلدی بتاؤ، کتنی قیمت لوگے اور ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا۔ فہرست کہاں ہے اور یہ تم نے پستول کیوں تان رکھا ہے؟“

نوارود کو جواب دینے کا موقع نہیں ملا۔ تاریکی میں چھپا ہوا رائفل بردار بہت تیزی سے حرکت میں آیا تھا۔ رائفل کی نال نوارود کی گرون سے ٹک گئی۔ ”ہلنا مت۔“ اُس نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر نوارود کا پستول چھین لیا۔

موٹا اپنے ساتھی کے ساتھ نوارود کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر میں بین نامی نوارود نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ ”یہ بتاؤ کہ میں نے آتے ہوئے پولیس کو کال کر دیا تھا کہ میں صحرا میں بھٹک گیا ہوں۔“ اُس نے کہا۔ ”وہ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ جو بات کرنی ہے، جلدی سے کرلو۔“

موٹے نے لپک کر ٹرک کا جائزہ لیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سی بی ریڈیو موجود تھا۔ ”جلدی سے کار میں بیٹھو۔ پولیس والے یہی سمجھیں گے کہ یہ اُن کی طرف سے مایوس ہو کر لفٹ لے کر چل دیا ہے۔“ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

رائفل بردار نے بین کو کار طرف دھکیلا۔ اُس کا دوسرا ساتھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ کار چل دی۔ وہ آدھا میل دور گئے ہوں گے کہ حادثہ ہو گیا۔ درحقیقت راستے کے دونوں اطراف چٹانیں تھیں اور بعض مقامات پر راستہ بے حد تنگ تھا۔ دوسری طرف انہیں جلدی تھی۔ ڈرائیور نے کار کو ایک سمت چٹان سے بچانے کی کوشش کی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دوسری جانب والی چٹان سے ٹکرا گئی۔ وہ سب ایک دوسرے پر جا پڑے اور چیخنے چلانے لگے۔ سب سے پہلے موٹا سنبھلا۔ ڈرائیور اپنی ناک سنبھالے ہوئے تھا۔ جس سے خون جاری تھا لیکن سب سے زیادہ مشکل میں اُن کا قیدی تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ چٹان دروازے سے ٹکرائی تھی اور دروازہ کم از کم ایک فٹ دھنس گیا تھا۔ شاید قیدی نے سنبھلنے کے لیے اپنا دایاں پاؤں پھیلا دیا ہوگا۔ اُس کا پاؤں سیٹ کے فریم میں پھنسا ہوا تھا۔ اُس کے علاوہ اس کا سر بھی دروازے سے ٹکرایا تھا۔ وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔

”کار اشارت کرنے کی کوشش کرو۔“ موٹے نے کراہتے ہوئے ڈرائیور سے سخت لہجے میں کہا۔

ڈرائیور نے کوشش کی لیکن انجن چند لمحے کھانسنے کے بعد خاموش ہو گیا۔ ”یہ تو گئی۔“ ڈرائیور نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”نکلو یہاں سے اور ٹرک کی طرف چلو۔“ موٹے نے حکم دیا۔

ڈرائیور کوٹ کی آستین سے خون آلود ناک پونچھتا ہوا باہر نکلا اور اُس طرف چل دیا، جہاں انہوں نے ٹرک کو چھوڑا تھا۔ موٹا شخص اور رائفل بردار پانچ منٹ تک اپنے قیدی کو کار کے دروازے اور سیٹ کے فریم کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نیچے خون کا اچھا خاصا تالاب بن گیا تھا۔ ”ہمیں یہیں معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔ اسے ساتھ لے جانا تو ممکن نہیں ہے۔“ رائفل بردار نے کہا۔

”یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔“ موٹے نے چڑ کر کہا اور اپنے کوٹ کی جیب سے

چاقو نکال لیا۔



صبح پونے چار بجے پام اسپرنگز پولیس کو پیدل نامی ڈاکٹر نے فون کر کے بتایا کہ تین مسلح افراد اُس کے گھر آئے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک اور شخص تھا جس کی ٹانگ گھٹنے کے نیچے سے کاٹی گئی تھی۔ مسلح افراد نے ریوالور کے زور پر اُسے زخمی کی مرہم پٹی کرنے پر مجبور کیا۔ بیس

کھٹنے بعد ہالٹ ڈیزرٹ میں پولیس کو ایک شکستہ کیڈیلاک کار ملی، جس میں ایک کٹی ہوئی ٹانگ موجود تھی۔ دو دن بعد بارہویں شاہراہ پر ایک ٹرک ملا جس میں دو لاشیں تھیں۔ اُن میں ایک موٹا آدمی تھا۔ جیب میں موجود شناختی کاغذات سے ثابت ہوا کہ وہ پرائیویٹ سراغ رساں جیک ہے۔ اُسے عقب سے شوٹ کیا گیا تھا۔ گولی اُس کی گدی سے پارنگل گئی تھی۔ دوسرے کا نام پارکر تھا۔ وہ جگڈیش کارپوریشن میں فائننگ کلرک کی حیثیت سے ملازم تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ کٹی ہوئی تھی اور اسے بھی شوٹ کیا گیا تھا۔



حادثہ کو اُس ڈنر پارٹی میں سلوکم لے گیا تھا۔ سلوکم بھی پولیس میں رہ چکا تھا لیکن اب محکمہ چھوڑنے کے بعد اُس نے اپنی ڈیٹیکٹو ایجنسی قائم کر لی تھی۔ پارٹی میں ان کے علاوہ بارہ افراد شریک تھے۔ چھ مرد اور چھ عورتیں۔ وہ شادی شدہ جوڑے تھے۔ تمام مرد جگڈیش کارپوریشن کے عہدے دار تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ وہ اُن دونوں کو نظر انداز کر رہے تھے۔ حادثہ نے اس کی وجہ سوچنے کی کوشش کی لیکن ایک ہی بات سمجھ میں آسکی۔ شاید جگڈیش نے انہیں بتا دیا تھا کہ حادثہ سابق پولیس مین ہے، جس پر گزشتہ سال ستمبر میں مقدمہ چلا تھا، جس کی خبروں کو اخبارات نے بہت اچھالا تھا۔ ممکن ہے اُن میں سے کچھ کو وہ مقدمہ یاد ہو اور وہ اُسے ناپسند کرتے ہوں لیکن پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ جگڈیش اپنے ملازمین سے ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔ حادثہ نے وہ سب کچھ ذہن سے جھٹک دیا۔ اُسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

بہر حال کھانا بہت شاندار تھا۔ اُس نے ڈٹ کر کھایا۔ وہ مسلسل جگڈیش کو دیکھتا رہا۔ جگڈیش نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر اُسے یا سلوکم کو نہیں دیکھا تھا لیکن اُس نے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا پھر اچانک جگڈیش اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ڈنر ختم ہو گیا۔ ”مجھے اُمید ہے، آپ لوگوں کو فلمیں پسند آئیں گی۔“ اُس نے خلیق لہجے میں کہا۔ ”یہ فلمیں میں نے منتخب کی ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں، مجھے ذرا کام ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اُٹھ گیا۔

اس کے جانے کے بعد ایک منٹ خاموشی رہی پھر گفتگو دوبارہ شروع ہو گئی۔ بٹلر نے آکر پہلے سلوکم کو اور پھر اُسے مطلع کیا۔ ”مسٹر جگڈیش پانچ منٹ بعد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ پانچ منٹ بعد سلوکم، حادثہ کو لے کر جگڈیش کے اسٹڈی روم کی طرف چلا گیا۔ وہ

باہر بیٹھے ہی تھے کہ جگدیش اسٹڈی روم کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اُس نے حارث کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر سلوکم! اندر آجائیے۔“

اُن دونوں کے عقب میں دروازہ ٹھیک طرح سے بند نہیں ہو سکا تھا۔ حارث اندر ہونے والی گفتگو سن سکتا تھا۔ ”مجھے اس شخص کے بارے میں بتاؤ۔“ جگدیش کی آواز ابھری۔

ستمبر کے اخبارات میں اُس کے متعلق سب کچھ شائع ہو چکا ہے۔ یہ لاس انجلس پولیس میں پیٹرول مین تھا۔ ایک رات یہ معمول کے مطابق گشت پر تھا۔ اس کا پارٹنر بیمار ہو گیا تھا، اس لیے ایک نیا پیٹرول مین ڈیفنس اس کے ساتھ تھا۔ ڈیفنس درحقیقت نفسیاتی مریض ثابت ہوا۔ آدھی رات کو اُنہیں..... کال موصول ہوئی کہ ایک زیر تعمیر عمارت کے پاس ایک چوری کا ٹرک کھڑا ہوا ہے۔ یہ دونوں وہاں پہنچے۔ حارث اپنی کار سے اُترا ہی تھا کہ زیر تعمیر عمارت کے اندر سے فائرنگ کی گئی۔ اس کے گھٹنے میں گولی لگی۔ ڈیفنس اُتر کر اندر لپکا۔ اندر کچھ لوگ تھے۔ ریوالور اُن میں سے صرف ایک کے پاس تھا۔ وہ بھی جلد ہی خالی ہو گیا۔ ڈیفنس نے اپنا ریوالور اُن لوگوں پر خالی کر دیا پھر وہ باہر نکلا اور حارث کا ریوالور بھی نکال لے گیا۔ یوں اُس نے اُٹھ آدمی ہلاک کر دیے۔ بعد میں ڈیفنس نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حارث کا ریوالور اُس نے استعمال کیا تھا۔ ان دونوں پر مقدمہ چلا۔ آخر میں ڈیفنس کو نفسیاتی اسپتال بھیج دیا گیا۔ جبکہ حارث بری ہو گیا۔“

حارث خاموشی سے سنتا رہا، تقریباً سبھی کچھ ٹھیک تھا۔

”اور تمہارا خیال ہے، یہ مارکوس کو پہچانتا ہے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”بہت اچھی طرح۔“

”اور اس سے ہٹ کر بھی بتاؤ۔ کیا یہ ہمارے کام کا آدمی ہے؟“

”جی ہاں جناب۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ضرورت مند ہے۔ کیس میں بہت

اخراجات ہوئے تھے، یہ 33 ہزار ڈالر کا مقروض ہے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جگدیش کی آواز ابھری۔ ”ہمارے حساب سے یہ کچھ زیادہ

بی راست عمل تو نہیں ہے؟“

باہر بیٹھا ہوا حارث سوچ میں پڑ گیا۔ کہیں یہ سب کچھ اُسے دانستہ تو نہیں سنوایا

جا رہا ہے۔

”وہ کچھ بھی ہو، ہوتا رہے۔ ہمارے لیے اُسے صرف یہ کرنا ہے کہ ایک آدمی کو

پہچانتا ہے۔“ حارث نے سلوکم کا جواب سنا۔

”ٹھیک ہے، اسے اندر لے آؤ۔“

ایک لمحے بعد سلوکم دروازے پر آیا اور اُس نے حارث کو اشارے سے بلایا۔

حارث اسٹڈی میں داخل ہو گیا۔ جگدیش نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”مسٹر حارث! تمہیں مسٹر سلوکم کے ساتھ سفر کرنا ہوگا اور ایک آدمی کی نشاندہی کرنا ہوگی۔ تمہیں مسٹر سلوکم نے رقم کی جو

آفر کی ہے، وہ تمہارے خیال میں مناسب ہے؟“

”جی ہاں۔“ حارث نے جواب دیا۔

”یہ رقم درحقیقت تین کاموں کے لیے ہے۔ تمہیں ایک شخص کو تلاش کرنا ہے، اس

سلسلے میں رازداری برتنی ہے اور سوال کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ میں تمہیں ایک سوال کا جواب

بہر حال دوں گا کیونکہ یہ جلد یا بدیر تمہیں ضرور تنگ کرے گا۔ مارکوس، جسے تم تلاش کرو گے، کے

بارے میں ہمارے عزائم جارحانہ نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم راست گو، راست قدم ہو۔ اگر

ہمارے عزائم مکروہ ہوتے تو ہم تمہارا انتخاب ہرگز نہ کرتے۔ ہم کاروباری لوگ ہیں مسٹر

حارث۔ مارکوس کے ذریعے ایک اہم کاروباری معاہدے کی تکمیل ہونی ہے۔ اب بولو، تم ہماری

مدد کرو گے؟“

لفظوں سے زیادہ حارث کی توجہ جگدیش کے چہرے کی طرف تھی۔ پولیس کی

ترہیت نے اُسے یہی سکھایا تھا کہ لفظوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اُسے یقین تھا کہ جگدیش

جھوٹ بول رہا ہے، بغیر کسی دشواری کے۔ ”میں مارکوس کو تلاش کرنے کے سلسلے میں پہلے ہی

رضامندی ظاہر کر چکا ہوں۔ اُس نے کہا۔

انٹرویو ختم ہو گیا۔ حارث باہر نکل رہا تھا کہ جگدیش کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ ”اور

یہ کام بہت اہم ہے مسٹر حارث۔ میں ہفتوں یا دنوں میں نہیں، گھنٹوں میں اس کی تکمیل چاہتا

ہوں۔“ جگدیش کا لہجہ سخت تھا۔

”ہم پوری پوری کوشش کریں گے جناب۔“ اس بار سلوکم نے کہا۔

”میں ایک بات بتا دوں۔“ جگدیش نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ ”مجھے اس جملے سے نفرت ہے۔ کوشش پوری ہو یا آدھی، اچھی ہو یا بری، مجھے صرف کامیابی سے غرض ہے۔“



نیو فاؤنڈ لینڈ میں سینٹ جان ایئر پورٹ کی عمارت برف میں گھری ہوئی تھی۔ محکمہ موسمیات کے مطابق ایک اور طوفان کی آمد آ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاز کی لینڈنگ ہموار نہیں تھی۔ دروازے کھلتے ہی جہاز کے اندر کا ٹیرپچر تیزی سے گرنے لگا۔ مسافر ایک ایک کر کے باہر آئے۔ ان میں حارث بھی تھا۔ ٹرمینل کی عمارت کم از کم پچاس گز دور تھی۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے حارث کی قلبی جم گئی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ ایئر پورٹ پر اُسے کوئی لینے آئے گا۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن اُسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو کسی کا منتظر ہو۔ اُس نے انفارمیشن ڈیسک پر اپنا تعارف کرایا۔ ”حارث..... فلائٹ نو فور ایٹ، میرے لیے کوئی پیغام ہے؟“ اُس نے پوچھا۔ ”جی ہاں مسٹر حارث! ہم ابھی پبلک ایڈرس سسٹم پر اعلان کرنے والے تھے۔ آپ کا ڈرائیور آدھے گھنٹے تاخیر سے آئے گا۔“

حارث کے پاس صرف ایک بریف کیس تھا۔ کسٹم میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہاں سے فارغ ہو کر انتظار گاہ کی طرف چلا آیا۔ باہر طوفان کی شدت کو دیکھتے ہوئے اُسے اندازہ ہوا کہ ڈرائیور کی طرف سے تاخیر باعث زحمت نہیں بلکہ باعث رحمت ہے۔ اس طرح اُسے سوچنے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ اسے جگدیش درما اور سلوکم جیسے لوگوں کے ملوث ہونے کی وجہ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہم جب بھی شروع ہوئی، واقعات اتنی تیز رفتاری کے ساتھ رونما ہوں گے کہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ اُسے ذہنی اور جسمانی طور پر پوری طرح چوکس رہنا ہوگا۔

اُس کا باپ سعید، ہندوستانی مسلمان تھا اور کم عمری میں امریکا آ گیا تھا۔ حارث کی ماں امریکن تھی۔ وہ پانچ سال کا تھا کہ ماں باپ کے درمیان علیحدگی ہو گئی۔ ماں نے اپنی مرضی سے اُسے باپ کے پاس چھوڑ دیا تھا اور وہ اس میں خوش تھا کیونکہ باپ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اُس کا باپ تھا بھی محبت کے قابل۔ وہ برسوں سے ایک ٹیکسی کمپنی میں ملازم تھا اور ٹیکسی چلاتا تھا۔ حارث نے اُسے ہمیشہ خوشحال دیکھا لیکن جوئے کی لت نے اُسے کبھی بچت کا موقع نہیں دیا تھا۔ بیٹے کو اُس نے وہ سب کچھ دیا، جس کی اُس نے آرزو کی۔ حارث اس وقت اپنے

باپ ہی کی وجہ سے یہاں موجود تھا۔

بوڑھے باپ نے اُس کا کیس لڑنے کے لیے بہترین وکیل منتخب کیا اور پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ اُس نے حارث کو یقین دلایا کہ وہ اپنی بچائی ہوئی رقم خرچ کر رہا ہے اور تشویش کی کوئی بات نہیں لیکن حارث جانتا تھا کہ اُس کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہا ہے۔ بچت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ بعد میں اُسے پتا چلا کہ اُس کے باپ نے سوڈ پر قرض لیا تھا اور اب وہ 33 ہزار ڈالر کا مقروض ہے۔ شاید وہ قرض اُتارنے کے لیے اُس نے کبھی کی حیثیت سے ملازمت بھی قبول کر لی تھی۔ حالانکہ وہ اس کے آرام کرنے کے دن تھے۔

حارث سوچتا رہا کہ اگر اُس کے باپ کو اس کام کا علم ہوتا تو وہ کیا کہتا۔ وہ یقیناً سرگوشی میں کہتا۔ ”قرض کی فکر نہ کرو۔ 33 ہزار ڈالر کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ بیٹے، مجھے یہ کام ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں یقیناً کوئی گڑبڑ ہے۔ بہر حال اگر تم حسب معمول اس بار بھی میرا مشورہ قبول نہ کرو تو یہ یاد رکھنا کہ ایک اچھے آدمی کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اُسے بے وقوف بنایا گیا ہے تو وہ بھاگتا ہے۔ اب یاد رکھو اندھا دھند اور تیز رفتاری سے کبھی نہیں بھاگتا۔ دیکھ بھال کر مناسب رفتار سے بھاگنا چاہیے۔“ یہ آخری جملہ اُس کے باپ کا مخصوص مشورہ تھا، جو وہ عمر بھر ہر موقع پر دیتا آیا تھا۔ اس لمحے حارث کو اپنا بوڑھا باپ ٹوٹ کر یاد آیا۔ وہ محبت کے احساس سے سرشار ہو گیا۔

قدموں کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ آدھا گھنٹا گزر گیا تھا اور اُسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ وہ اس طویل القامت اور قوی الجشہ آدمی کو اپنی طرف بڑھتے دیکھتا رہا۔ ”مسٹر حارث؟“ اُس شخص نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔ حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”میرے ساتھ آئیے۔“ اُس شخص نے کہا۔ حارث نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور اُس کے پیچھے چل دیا۔

ٹرمینل کے باہر پارکنگ ایریا میں سبز شیورلیٹ کھڑی تھی۔ اس کے وائپر متحرک تھے۔ اُس شخص نے عقبی دروازہ کھولا۔ حارث کار میں بیٹھ گیا۔ وہ شخص گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ برف کا طوفان جاری تھا لیکن ڈرائیور مشینی مہارت کے ساتھ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس وقت سہ پہر کے ڈھائی بجے تھے لیکن طوفان کی وجہ سے نظر دو سو گز سے زیادہ دیکھنے سے قاصر تھی۔

”کتنی دور جانا ہے ہمیں؟“ حارث نے پوچھا۔

”چند میل۔“

”تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟“

”رین فیلڈ کے لیے۔“

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”میڈوز۔“

”تمہارا تعلق یہیں سے ہے؟“

”انٹوریو سے۔“ طویل القامت ڈرائیور نے کہا پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد

بولتا۔ ”اگر آپ ایک، پس میں اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں تو سوالات موقوف کر دیں۔ یہاں ڈرائیونگ کے لیے اگر کار ضروری ہے۔“

حارث کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ نیچے بندرگاہ پر چار پانچ اسٹیئر اور سات آٹھ ماہی گیری کی کشتیاں کھڑی تھیں۔ بالآخر کار ایک فیکٹری کی حدود میں داخل ہو گئی۔ سائن بورڈ پر آئلن ڈیری تحریر تھا۔

”بلڈنگ کا وسطی دروازہ۔“ ڈرائیور نے کہا۔ وہ مختصر ترین گفتگو کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

حارث نے اپنا بریف کیس سنبھالا اور کار سے اتر آیا۔ وہ دو منزلہ عمارت تھی۔ دروازے تک پہنچتے پہنچتے اسے تھر تھری چڑھ گئی۔ اندر ایک ہال وے تھا، جس میں زینہ بھی تھا۔ زینوں کے اوپر دروازہ تھا۔ وہ بڑا سا کمر شاید لیب کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہاں موجود آلات سے یہی اندازہ ہو رہا تھا۔ حارث نے کمرے میں داخل ہو کر اپنا بریف کیس اسٹول پر رکھا اور کھڑکی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے تین بجے تھے، جبکہ میٹنگ کا وقت تین بجے طے ہوا تھا۔ کمرے میں کئی پیٹنیں پڑی تھیں۔ لیکن حارث بیٹھنے کے بجائے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ سردی ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک قدموں کی آہٹ سنائی دی، دروازہ کھلا اور ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ فربہ اندام تھا۔ اپنے قد کے اعتبار سے اس کا وزن کم از کم پچاس پونڈ زیادہ تھا۔ اس پچاس پونڈ کا ایک حصہ گوشت کی تہوں کی صورت چہرے پر لپٹا

ہوا تھا اور باقی سینے سے نیچے تو ند کی شکل میں موجود تھا۔ اس نے حارث کو دیکھ کر سر ہلایا اور اپنے بریف کیس کو بیچ پر رکھ دیا پھر اس نے حارث کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”میرا نام رین فیلڈ ہے۔“ اس نے کہا۔ ”سلوکم نے تمہیں ضروری باتیں بتادی ہوں گی۔ کیا بتایا گیا ہے تمہیں؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔“ حارث نے جواب دیا۔ ”مجھے مارکوس کو تلاش کرنے کا معاوضہ چالیس ہزار ڈالر ملے گا۔ دس ہزار مجھے مل چکے ہیں۔ اس نے کہا تھا، مجھے یہاں پہنچ کر تم سے ملنا ہے۔ میرا خیال تھا، وہ بھی یہیں ملے گا، وہ یہاں نہیں ہے کیا؟“

”نہیں۔“ رین فیلڈ نے چڑچڑے پن سے کہا۔ چڑنے کی بات ہی تھی۔ سوالات اسے کرنے تھے نہ کہ حارث کو۔ ”سلوکم نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہیں میرے ساتھ کام کرنا؟“

”نام تو نہیں بتایا تھا تمہارا۔ البتہ کہا تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں گا۔“

”اگر ہمیں مارکوس کو نیوفاؤنڈ لینڈ میں تلاش کرنا ہے تو تیزی سے کام کرنا ہوگا۔ علاقہ بہت وسیع ہے۔ تم مجھ سے تعاون کرو گے؟“

”یقیناً کروں گا۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ رازداری کی وجہ سے تمہیں اتنا زیادہ معاوضہ دیا جا رہا ہے۔ تمہیں سوالات سے بھی پرہیز کرنا ہوگا۔“

حارث سوچ میں پڑ گیا کہ اپنے شبہات کا اظہار اس وقت کرے یا سلوکم سے ملاقات انتظار کرے پھر اس نے رین فیلڈ کو جانچنے کا فیصلہ کیا۔ ”سلوکم نے کہا تھا کہ وہ جگہ لیش کارپوریشن کے ایک اہم کاروباری معاہدے کے سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ مارکوس ان کا کاروباری حریف ہے۔ ہمیں اسے تلاش کرنا ہے تاکہ اسے خریداجا سکے، اگر بات یہی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور اگر بات کچھ اور ہے تو مجھے سوچنا پڑے گا۔ چالیس ہزار ڈالر کے معاوضے سے تو ایسا لگتا ہے جیسے مارکوس کو تلاش کر کے ٹھکانے لگانا ہے اور اسے تلاش کرنا میرا کام ہے، کیا خیال ہے تمہارا؟“

رین فیلڈ گویا بولنے سے پہلے لفظوں کو تول رہا تھا۔ بالآخر اس نے سر دلچے میں کہا۔ ”یہ سب کچھ تم سلوکم سے دریافت کرنا۔ مجھے بھی احکامات اسی سے ملتے ہیں۔“

”میں نے ابھی تک دس ہزار خرچ نہیں کیے ہیں اور میں رقم واپس کرنے کا حق رکھتا

ہوں۔“

رین فیلڈ نے پہلو بدلا، اپنا بریف کیس کھولا اور لفافہ نکال کر حادث کی طرف بڑھایا۔ ”یہ بیس ہزار ڈالر ہیں۔ اصل کہانی یہ ہے کہ مارکوس اور ہمارے باس ایک خطرناک بزنس ڈیل میں ملوث ہیں ہم مارکوس کو تلاش کر کے اُسے تحفظ فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ تم رفتہ رفتہ معتبر ٹھہرو گے اور تمہیں مزید اعتماد میں لیا جائے گا۔“

حادث نے لفافہ کھول کر اُس میں جھانکا پھر اُسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ ”اپنے ہوٹل کا رخ کرنے سے پہلے، تمہیں سینٹ اوریل جانا ہوگا۔ وہاں تم سلوکم سے مل سکو گے، ٹھیک ہے؟“ رین فیلڈ نے کہا۔ حادث نے اثبات میں سر ہلادیا۔ ”یہ ریوالور بھی رکھ لو۔“ رین فیلڈ نے اُس کی طرف ریوالور بڑھایا۔

حادث نے مضحکہ انداز میں اُسے دیکھا۔ ”ابھی تو تم پر امن گفتگو کر رہے تھے اور اب یہ ریوالور.....؟“

”یہ سب کچھ سلوکم سے پوچھنا۔“ رین فیلڈ نے چڑ کر کہا۔ ”آؤ میرے ساتھ.....“ وہ جس کار میں ایئر پورٹ سے آیا تھا، اب بھی باہر موجود تھی۔ رین فیلڈ نے حادث کو ڈرائیور سے متعارف کرایا۔ ”یہ میڈوز ہے۔“ پھر اُس نے میڈوز سے کہا۔ ”ہمیں سینٹ اوریل چلنا ہے۔“



کاروں منٹ مین روڈ پر چلنے کے بعد ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی۔ ”میڈوز مقامی پولیس میں کام کر چکا ہے۔“ زین فیلڈ نے حادث کو بتایا۔ ”درحقیقت ہم سبھی سابق پولیس مین ہیں۔ میں نیویارک میں پولیس میں رہا ہوں۔“

حادث نے سکون کا سانس لیا۔ ایسا لگا، جیسے وہ اپنوں میں آ گیا ہو۔ اس سیٹ اپ کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ ہدایات سنو اور ان پر عمل کرو، سوالات مت کرو۔ اس نے سلوکم سے اور اب رین فیلڈ سے کہا تھا کہ وہ رقم واپس کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ وہ اس طرح کس کو بے وقوف بنا رہا ہے؟ خود کو یا اور کسی کو؟ بوڑھا باپ اسی کی وجہ سے مقروض ہوا تھا اور اب اُسے وہ قرض ادا کرنا تھا۔ دنیا میں اور ایسا کون تھا جو ایک کام کا معاوضہ چالیس ہزار

ڈالر دیتا۔ تیس ہزار تو اُسے اس وقت تک مل چکے تھے۔ اس صورت حال میں آئی ہوئی رقم واپس کرنے کا تصور بہت بڑی خود فریبی تھی۔

”تمہیں معلوم ہے، حادث پولیس سے کس طرح نکلا تھا؟“ رین فیلڈ نے میڈوز سے پوچھا۔ ”زبردست ہنگامہ ہوا تھا.....“

حادث نے فوراً موٹے رین فیلڈ کو ٹوک دیا۔ ”میں اس کیس کے سلسلے میں گفتگو پسند نہیں کرتا۔“

”چھوڑو بھی، یہ گھر کی بات ہے۔ پولیس کا محکمہ ہم لوگوں کے درمیان قدر مشترک ہے۔“ رین فیلڈ نے کہا اور کیس کی پوری تفصیل میڈوز کو سنادی۔ میڈوز نے خاموشی سے سنا اور کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ حسب سابق اُس کی پوری توجہ ڈرائیوگ کی طرف تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ حادث کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے مناظر دیکھا رہا۔ حد نظر تک برف ہی برف تھی۔ کار میں سردی نہ ہوتی، تب بھی باہر کے مناظر سردی کا احساس دلانے کے لیے بہت کافی تھے۔

”تم نے مقدمہ کے بعد پولیس کی ملازمت سے استعفا کیوں دے دیا تھا

“میڈوز نے پانچ منٹ بعد پوچھا۔

”میرے خیال میں یہی مناسب تھا۔“ حادث نے جواب دیا۔

”استعفا کیوں؟“ میڈوز کا لہجہ سرد تھا۔ ”استعفیٰ کی کیا بات تھی۔ تم نے غلطی کی۔

لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا کام کسی قدر اعصاب شکن ہے۔ ڈیفرس جیسے لوگ پاگل بھی ہو جاتے ہیں۔ جب تم بری ہو گئے تو استعفا دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

حادث نے کوئی جواب نہ دیا۔ جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس طرح

میڈوز کے جارحانہ انداز کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ جو کچھ ہوا تھا، اُس نے اُس کی روح کو بیمار کر دیا تھا پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پولیس کی ملازمت کے ذریعے وہ 33 ہزار ڈالر کا قرض کسی بھی طرح ادا نہیں کر سکتا تھا۔

سڑک نے جنوب مغرب کی طرف بل کھایا تھا۔ کار بہ دستور ساحل کے متوازی سفر کر رہی تھی۔ رین فیلڈ نے میڈوز سے کچھ پوچھا۔ میڈوز نے جواب دیا لیکن حادث نے کچھ

نہیں سنا پھر رین فیلڈ، حارث کی طرف متوجہ ہوا۔ ”میں تمہیں سینٹ اوریل کے بارے میں بتا دوں۔ چھوٹا سا علاقہ ہے۔ آبادی ڈھائی سو کے لگ بھگ ہوگی۔ کھاڑی کے پاس ایک بڑا مکان ہے، جس میں ڈاکٹر ہیلکن نامی ایک شخص رہتا ہے۔“ اس نے حارث کو بہ غور دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید وہ اس نام پر اس کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا۔ ”ہیلکن کے بارے میں سن لو۔ ہمیں ممکنہ طور پر وہی مارکوس تک پہنچا سکتا ہے۔ ڈاکٹر ہیلکن پیدائشی طور پر آسٹریا ہے۔ اُس نے انٹرنیشنل لائسنس ڈاکٹریت لی ہے۔ 1937ء میں وہ امریکا آیا۔ 1963ء میں کینیڈا کی شہریت حاصل کی۔ بہ ظاہر نہ کوئی اس کا ساتھی ہے، نہ ملازم۔ بہ وقت ضرورت امریکی حکومت پیچیدہ معاملات میں اُسے بروکر کی حیثیت سے استعمال کرتی ہے۔ فرض کرو، امریکی حکومت، روسیوں سے خفیہ طور پر کوئی چیز خریدنا چاہتی ہے یا معاملہ برعکس ہے۔ ایسے مواقع پر ڈاکٹر ہیلکن ہی کو استعمال کیا جاتا ہے۔“

”کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔“ حارث نے کہا۔

”تین سال پہلے امریکا کو ماسکو کے تربیت یافتہ فلسطینیوں کی فہرست درکار تھی۔ دوسری طرف اُن فلسطینیوں نے روسیوں کو مایوس کیا تھا۔ چنانچہ روسیوں نے ہیلکن کے توسط سے وہ فہرست فروخت کر دی۔“ رین فیلڈ نے وضاحت کی۔ ”سودا ڈیلاک ڈالر میں ہوا تھا۔ امریکی انٹیلی جنس نے ایک لاکھ اور اسرائیلیوں نے پچاس ہزار ڈالر ادا کئے۔ ابھی دو سال پہلے روسی، چینیوں کے بنائے ہوئے ایٹمی ریڈار سے خائف تھے۔ امریکیوں کے پاس اس سلسلے میں مکمل معلومات تھیں، جو اُن کے نکتہ نظر سے غیر اہم تھیں۔ انہوں نے ہیلکن کے ذریعے وہ تمام معلومات ماسکو کو فراہم کر دیں۔ یہ ہیلکن بہت کارآمد آدمی ہے۔..... راجلے کے لیے۔ وہ صرف اور صرف دولت کے لیے کام کرتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جب بھی وہ ضرر رساں ثابت ہوا، حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔“

”سوال یہ ہے کہ مارکوس سے اس کا کیا تعلق ہے؟“

”ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ رین فیلڈ کے لہجے میں یقین کی کمی تھی۔ ”تم سلوکم سے پوچھ لینا، وہی ہمارا باس ہے۔ میں، تم اور میڈوز برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

حارث خاموش ہو گیا۔ برف باری تھم گئی تھی۔ بادل تیزی سے جنوب کی طرف جارہے تھے۔ نیلا آسمان نظر آنے لگا تھا پانچ بجنے میں بیس منٹ پر رین فیلڈ نے اعلان کیا کہ وہ سینٹ اوریل پہنچ گئے ہیں۔ حارث نے باہر دیکھا۔ موڑ کاٹتے ہی اُسے سینٹ اوریل کا قصبہ نظر آیا جو خلیج کے ایک پہلو کی سمت بسا ہوا تھا۔

”یہاں کشتیوں کے ذریعے سامان آتا جاتا رہتا ہے۔“ رین فیلڈ نے پورٹ پر لنگر انداز اسٹیروں کے سلسلے میں وضاحت کی۔ ”اگست کا مہینہ ماہی گیری کا موسم تھا۔ اُس وقت یہاں کی آبادی ساڑھے تین سو تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں ایک ہوٹل، کرائے پر اٹھنے والے چھ کالج اور دو بار ہیں۔“

”تم نیو فاؤنڈ لینڈ میں کب سے ہو؟“ حارث نے پوچھا۔

”دس دن سے..... اور اب ڈاکٹر ہیلکن کا مکان دیکھو۔“

حارث پہلے ہی اُس بڑے مکان کی طرف متوجہ تھا۔ اور ایک میل کے برفانی میدان کے درمیان تھا اور خلیج سے مغرب کی سمت واقع تھا۔ سمندر کی لہریں ریت کے ٹیلے سے ٹکرا کر لوٹ جاتی تھیں۔ دوسری سمت ایک پہاڑی سڑک تھی۔ پہاڑ کی بلندی کا اندازہ کرنا مشکل تھا کیونکہ اُس کا بالائی حصہ بادلوں میں گھرا ہوا تھا۔ سمندر اور مکان کے درمیان صنوبر کے درختوں کا ایک جھنڈ اور جھاڑیاں حائل تھیں۔ مکان کی تعمیر میں بڑا حصہ لکڑی کا تھا۔ ہلکی ڈھلوانی چھت تھی۔ نیم دائرے کی شکل کے ڈرائیوے میں اس وقت دو گاڑیاں موجود تھیں۔

وہاں سو کے قریب دو منزلہ مکانات تھے، جو بندرگاہ کے اوپر شالی ڈھلوانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ٹورسٹ ہاؤس کی تین منزلہ عمارت وہ واحد عمارت تھی جس کے سامنے سڑک موجود تھی۔ ٹورسٹ ہاؤس کے عین سامنے بندرگاہ کی سٹی دیوار تھی۔ دیوار کے عقب میں جیٹی تھی، جہاں دس بارہ کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہوا میں مچھلی کی بساند رچی ہوئی تھی۔ اس وقت جیٹی سنسان تھی۔

کارر کتے ہی وہ اترے اور ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ میڈوز آگے آگے تھا۔ ہال کی پیشانی پر مسز ڈالز ٹورسٹ ہوم تحریر تھا۔ دروازے کی دہنی سمت چوٹی سیڑھیاں تھیں۔ وہ اوپر

چڑھ گئے۔ اوپر دو دروازے تھے، ایک سامنے اور دوسرا عقب میں۔ رین فیلڈ نے سامنے والے بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ سب سے پہلی چیز جو نظر آئی وہ ایک اسٹینڈ پر لگا ہوا ٹیلیسکوپک لینس والا کیمرا تھا۔ سلوکم کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ اُس نے بڑھ کر حارث سے ہاتھ ملایا۔ ”اس کا مطلب ہے، تم نے ارادہ تبدیل نہیں کیا۔ گڈ..... ویری گڈ۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”نہیں لیکن میرے ذہن میں کچھ سوالات بہ دستور سرسرا رہے ہیں۔“

سلوکم نے کندھے جھٹک دیے۔ گویا سوالات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے کھڑکی کے پاس لے گیا۔ ”یہ ڈاکٹر ہیلکن کا مکان ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مارکوس یہاں ضرور آئے گا۔ جیسے ہی تم اُسے مکان میں داخل ہوتے دیکھو، ہمیں بتا دو۔ بس اتنا سا کام ہے تمہارا۔“ اُس نے کہا۔

حارث نے ٹیلیسکوپک لینس سے عمارت کو دیکھا۔ لینس بے حد طاقت ور تھا۔ ایک میل کا فاصلہ اُس کے سامنے بے حیثیت نظر آ رہا تھا۔ ”اور میرے سوالات؟“ حارث نے کہا۔

”پوچھو۔“

”تمہارا کہنا ہے کہ میں واحد آدمی ہوں جو مارکوس کو شناخت کر سکتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے جبکہ مارکوس لاس اینجلس اور نیویارک میں بزنس کرتا ہے۔“

”وہ امریکی نہیں ہے چنانچہ ہمیں نہ اُس کی تصویر میسر آئی ہے نہ ایف بی آئی کے پرنٹس۔ وہ صرف لاس اینجلس پولیس کمپیوٹر کی یادداشت میں محفوظ ہے اور اُس کیس کی تفتیش تم نے کی تھی۔ وہ کبھی گرفتار نہیں ہوا۔“

حارث نے اسٹینڈ کو گھما کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ ”دوسرا سوال، مجھے ریوالور کی کیا ضرورت پڑ سکتی ہے؟ اُس نے کہا۔

”اوہ، یہ بات مجھے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مارکوس نے تمہیں پہلے دیکھ لیا تو وہ تمہیں قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔ میرے اور اُس کے تعلقات کبھی ایسے نہیں رہے۔“

”صورت حال یہ ہے کہ یہ داؤ بہت لمبا ہے۔“

”تب تو بہتر ہے کہ تم مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔“

”ہاں، ٹھیک ہے۔ آؤ، چل کر ہیلکن کے مکان کو قریب سے دیکھیں۔ میں تمہیں اس ڈیل کے متعلق بتاتا ہوں.....“



ہال میں مسز ڈالین ویکیم کلینز کے ذریعے صفائی میں مصروف تھی۔ اُس نے انہیں دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔ ”خوش قسمتی سے یہ اُدنچاستی ہے۔“ سلوکم نے حارث کو بتایا۔

”تم ہیلکن کے مکان کی کب سے نگرانی کر رہے ہو؟“

”دس دن سے۔“

”اس دوران ہیلکن کے ملاقاتیوں کی تصویریں مجھے دیکھاؤ گے؟“

”اس کی ضرورت نہیں، وہ سب جانے پہچانے مقامی آدمی ہیں۔“

”یہ کیسے پتا چلے گا کہ اُسے اپنی نگرانی کا علم ہو گیا ہے؟“

”جب بھی ایسا ہوا، وہ مکان چھوڑ جائے گا۔“

ٹورسٹ ہوم کے عقب میں سلوکم کی کار موجود تھی۔ وہ کار میں بیٹھ گئے۔ سلوکم نے کار اشارت کردی۔ اس کا رخ خلیج کی طرف تھا۔ ”میں اختصار سے کام لوں گا۔ سرمایہ داروں کا ایک گروپ لاطینی امریکا کے ایک ملک میں اثر و نفوذ خریدنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مارکوس اور ہیلکن اس سلسلے میں ہونے والی سودے بازی سے متعلق ہیں۔“ سلوکم نے بتایا۔ ”اس میں تین فریق ہیں۔ ایک وہ ملک، مارکوس جس کی نمائندگی کر رہا ہے۔ دوسرے وہ سرمایہ دار، جن کی نمائندگی میں کر رہا ہوں۔ ہیلکن رابطے کے طور پر کام کر رہا ہے۔“

”اس ملک کا نام؟“

”یہ میں تمہیں نہیں بتا سکوں گا۔ اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے۔ ہم خطرہ ہیں کہ مارکوس ہم سے رابطہ قائم کرے گا۔ ہم پر دباؤ کم نہیں ہے۔ سرمایہ داروں کا گروپ چاہتا ہے کہ چار ہفتے کے اندر اندر مذاکرات مکمل ہو جائیں لیکن مارکوس کا اب تک کوئی پتا نہیں ہے۔ البتہ ہمیں اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ اُس کی گرل فرینڈ سینٹ جان میں موجود ہے۔“

”آخری سوال۔“ اُس نے کہا۔ ”یہ ہے کہ مجھے مارکوس کو کب تک تلاش کرنا ہے؟“
 ابھی تم نے کہا کہ تمہارے پاس صرف چار ہفتے ہیں۔“
 ”تین ہفتے کہو، اگر بات تین ہفتے سے آگے گئی تو تمہیں اضافی معاوضہ ملے گا۔ اب میرا خیال ہے کہ تم مزید سوالات کے بغیر بھی اپنا کام کر سکو گے۔“ حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔ سلوک نے بھی سر ہلادیا۔ ”مگڈ۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔
 واپسی کے سفر میں حارث نے کارڈرائیو کی۔ سلوک ٹورسٹ ہاؤس اُترا اور اُس نے حارث سے کہا کہ وہ رین فیلڈ کو اپنے ساتھ سینٹ جان لے جائے۔

سینٹ جان تک کا ایک گھنٹے کا سفر خاموشی سے کٹا۔ سینٹ جان میں داخل ہونے کے بعد رین فیلڈ، حارث کا رہنمائی کرتا رہا۔ اُس نے ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ کی تیسری منزل کی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حارث کو بتایا۔ ”مارکوس کی محبوبہ یہاں رہتی ہے۔ میڈوز نے ٹیلی گراف کے کعبے پر چڑھ کر ایٹکن کے ٹیلیفون کے لیے ایک الیکٹرونک بک لگایا تھا۔ اس کی بدولت ہمیں امریکا سے ایک لڑکی کی کال ریسیو کرنے کا موقع ملا۔ لڑکی کی ایٹکن سے بات نہیں ہو سکی، تاہم اُس نے اپنا نمبر چھوڑا تھا۔ اُس نمبر کے ذریعے ہم نے سراغ لگایا۔ وہ لڑکی نیویارک میں مسز مارکوس کے نام سے مقیم تھی۔ ہم نے اُس پر نظر رکھی پھر وہ یہاں آگئی۔ میڈوز نے موقع پا کر ایک بگ اُس کے ٹیلی فون کے ساتھ بھی اُلٹج کر دیا۔“ رین فیلڈ نے پھر کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”اب ہم کسی ایسی کال کے منتظر ہیں، جو مارکوس کی ہو۔ اس سلسلے میں بھی تم ہی ہماری مدد کرو گے۔ یوں تمہیں دُہرا کام کرنا ہوگا۔ تم یہاں ہو گے تو میں سینٹ اوریل میں ایٹکن کے گھر آنے والوں کی تصویریں لیتا رہوں گا۔“

حارث نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ سات بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ ”فی الوقت تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہالٹن میں تمہارے لیے کمرالے لیا گیا ہے۔ کمرے میں ریسیور موجود ہے، جس کے ذریعے تم اس نام نہاد مسز مارکوس کی نقل و حرکت سے باخبر رہ سکتے ہو۔ میں تمہیں کمرے میں چل کر سب کچھ سمجھا دوں گا۔“

ہوٹل جدید طرز کا تھا۔ حارث کا کمر تیسری منزل پر تھا۔ بیڈروم سے پہاڑی کا منظر

اب وہ ایٹکن کے مکان کے بہت قریب سے گزر رہے تھے۔ مکان پر سکوت طاری تھا۔ صرف ڈرائیوے میں کھڑی ہوئی دو کاریں مکان کی آبادی کی گواہی دے رہی تھیں۔ حارث سوچ رہا تھا کہ اب بھی اسے کام کی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں، اُس کے بنیادی سوالات کی تصفی نہیں ہوئی تھی۔

اچانک سلوک نے کار پارک کر دی۔ وہ نیچے اُتر آئے۔ اب وہ پیدل اُسی سمت میں سفر کر رہے تھے، جہاں سے آئے تھے۔ سلوک آگے آگے تھا۔ وہ برف پر سڑک کے متوازی درختوں کی آڑ لے کر بڑھتے رہے۔ بیس منٹ بعد ایٹکن کا مکان پھر اُن کی نظروں کے سامنے تھا۔ راستے میں ایک جگہ سلوک لڑکھڑایا اور اُس کا پاؤں برف کے نیچے موجود پانی میں چلا گیا۔ سلوک زیر لب کچھ کہہ کر رہ گیا۔ حارث کو وہ سب کچھ بے حد غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ وہ صوبہ کے جھنڈ کے درمیان آخری ڈھلان کی طرف بڑھتے رہے۔ بالآخر وہ برف سے ڈھکی ہوئی ایک چٹان تک پہنچ گئے۔ وہاں سے خلیج کا منظر بھی دکھائی دے رہا تھا اور ایٹکن کا مکان صرف چوتھائی میل دور تھا۔

پہلی بار حارث کو مکان کی وسعت کا اندازہ ہوا۔ مکان کی ہر منزل پر کم از کم چھ کمرے ہوں گے۔ چھت پر ٹی وی کا پندرہ فٹ اونچا ایریل تھا۔ ایسے ایریل اسے ہر مکان کی چھت پر نظر آئے تھے۔ سلوک کچھ دیر سانس سنبھالنے کا انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ”تین ہفتے پہلے ایک گڑبڑ ہو گئی۔ ایک ایسے سرمایہ دار کی کہنی کے ملازم کو پام اسپرنگز میں قتل کر دیا گیا جو اس کا رو باری سودے میں شریک ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ قتل کا تعلق اس کا رو باری معاہدے سے ہے۔ بلکہ مارکوس سے ہے۔“ سلوک نے حارث کو بہ غور دیکھا۔ ”اسی لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ تم مسلح رہو، ٹھیک ہے؟“

حارث نے سر کو تھپی جھنڈ دی۔

”اور یہ کار بھی تم ہی رکھو جو میرے پاس ہے۔“

کار کی طرف واپس آتے ہی سلوک نے ڈکی کھول کر ایک بیگ نکالا اور بیگ میں سے ایک ریو لور نکال کر حارث کو دیا۔ اس کے علاوہ کار تو سوں کا ایک ڈبا اور ایک دور بین بھی تھی۔ حارث نے ریو لور لوڈ کر لیا۔

نظر آتا تھا۔ رین فیلڈ نے بگ کار سیور سونی کے کیسٹ پلیئر، ریڈیو میں چھپا رکھا تھا۔ بگ لڑکی کے اپارٹمنٹ میں ٹیلی فون میں نصب تھا، اس کے ذریعے صرف فون کالری نہیں، ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو بھی سنی جاسکتی تھی۔ رین فیلڈ نے ریڈیو آن کیا۔ یوں وہ چوتھائی میل دور اُس لڑکی کی ذاتی دنیا میں داخل ہو گئے۔ پہلی آواز جو حادثہ نے سنی، قدموں کی آہٹ کی تھی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔

”میں میز ہوٹل میں ہوں۔ ریسیور پر کوئی کام کی بات سنو تو مجھے مطلع کر دینا۔ میرا نمبر تمہیں میز کے استقبالیہ سے مل جائے گا۔“

”لڑکی کا نام کیا ہے؟“

”الزبتھ بیرٹ۔“

رین فیلڈ کے جانے کے بعد حادثہ بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ اُس نے روم سروس کو فون کر کے کھانا منگوایا۔ اس دوران اُس نے نہادھو کر لباس تبدیل کر لیا، پھر اُس نے ریڈیو آن کیا۔ لڑکی برتن دھور رہی تھی۔



جلدیش، البرٹ کے بچے پر اُس کا مہمان تھا۔ وہ البرٹ سے پہلے بھی تین بار مل چکا تھا لیکن تنہائی میں یہ اُس کی پہلی ملاقات تھی۔ جلدیش نے البرٹ کو کبھی پسند نہیں کیا تھا لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔ البرٹ اُن بارہ سرمایہ داروں میں شامل تھا، جو نکاراگوا کو خریدنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ ملاقات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیش کی گئی اور ویٹر کیمین سے نکل گئے۔ البرٹ نے تمہید میں وقت ضائع کیے بغیر مطلب کی بات چھڑی۔ ”مجھے سبب سے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا ایک ملازم قتل ہو گیا ہے، اسی ڈیل کے سلسلے میں۔ تمہیں یقین ہے کہ یہ کیونسٹ گوریلوں کی حرکت نہیں ہے؟“

”نہیں، کیونسٹ گوریلو اتنی اہلیت نہیں رکھتے۔“ جلدیش کے لہجے میں یقین تھا حالانکہ اندر سے وہ اتنا پر اعتماد نہیں تھا۔ پارکر نہ جانے کیسے اُس کی خفیہ فائلوں تک پہنچ گیا تھا۔ اُسے صحرا میں قتل کیا گیا تھا، لیکن کیوں؟ کیا اس قتل کا تعلق نکاراگوا کے سودے سے تھا یا وہ پارکر کی کسی ذاتی حماقت کا شاخسانہ تھا۔ ”میرے خیال میں پارکر والے واقعے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

البرٹ نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ”میرے آدمی تیزی سے کاغذی کام کر رہے ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی جلدی کیا ہے۔ ضروری ہے کہ سب کچھ چار ہفتوں میں مکمل ہو جائے؟“

”مسئلہ جنرل انٹونیو کا ہے۔“ جلدیش نے جواب دیا۔ ”اس کا مزاج پل پل بدلتا ہے۔ میرا خیال ہے، ہم ایک ماہ تک تو اُسے سنبھال لیں گے۔ بہر حال، وہ بہت تیزی سے ارادے بدلتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ اور ہاں، میرے آدمیوں نے بتایا ہے کہ سرمایہ کاری کے تناسب کے اعتبار سے تم دیگر پارٹنرز کے مقابلے میں دس فیصد زیادہ منافع لے رہے ہو، اس کا سبب؟“

”یہ میری محنت کا صلہ ہے۔ جس کا سلسلہ میں، میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اس ڈیل کے سلسلے میں میرا بہت وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مجھے اپنے کاروبار کی طرف سے غافل رہنا پڑا ہے۔“

”بکواس۔“ البرٹ نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھ گیا کہ ہاورڈ ہیوز اور سببش تمہیں کیوں پسند کرتے ہیں، تم بد معاش ہو۔“

جلدیش کو غصہ آ گیا۔ زندگی میں کبھی کسی نے اُسے اس کے منہ پر بد معاش کہنے کی جرات نہیں کی تھی۔ ایک لمحے کو وہ الجھ گیا۔ جانتا تھا کہ البرٹ معذرت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ ویسے بھی نکاراگوا کا سودا زیادہ اہم تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ اس وقت اس توہین کو پی جائے اور سودے کی تکمیل کے بعد اس کا بدلہ لے۔ یہ تو طے تھا کہ البرٹ کو اپنے ان لفظوں پر پچھتانا پڑے گا۔

البرٹ اُس کے رد عمل سے مطلق بے خبر تھا۔ اُس نے پر خیال لہجے میں کہا۔ ”یہ سودا دُنیا پر کب اور کس طرح کھلے گا۔ میرا خیال ہے، اُس وقت تک تمام پارٹنرز کو خاموش اور محتاط رہنا ہوگا۔“

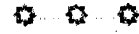
”ہاں، اس سیٹ اپ میں کسی پارٹنر کو ملوث نہیں کیا جائے گا۔“

”سیٹ اپ کون تیار کر رہا ہے؟“ سودے کے..... اور ہمارے تحفظ کی ذمہ داری کس کی ہے؟ ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہے..... کہ پام اسپرنگز میں پارکر کے قتل جیسے واقعات کا

اعادہ نہ ہو۔ صفائی کا کام کون کر رہا ہے؟“

”ہیں کچھ لوگ..... سابق پولیس مین، چھوٹے لوگ۔“

”چھوٹے لوگ۔“ البرٹ نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ”محتاج رہنا۔ میں نے عمر بھر یہی دیکھا ہے کہ چھوٹے لوگ ہی اہم ہوتے ہیں۔ وہ اچانک تمہارے پیروں کے نیچے آئیں گے اور اگلے ہی لمحے تم خود کو مرنے کے بل گرا پاؤ گے۔“



حارث ساڑھے آٹھ بجے بیدار ہوا۔ یہ یاد کرنے میں اُسے کچھ دیر لگی کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے۔ ہاتھ روم سے نکلتے ہی اُس نے روم سروس کو فون کر کے ناشتا طلب کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اُس نے ریڈیو آن کر دیا پھر وہ اخبار پڑھتا رہا۔ اب وہ ایک بار پھر اپنی یہاں آمد کے سلسلے میں الجھ رہا تھا۔ کہ یہ باپ کے قرض کی ادائیگی کی موثر صورت تھی..... یا یہ جیل کا راستہ تھا..... مختصر ترین راستہ! وہ اپنی ایک کمزوری سے بہ خوبی واقف تھا۔ اُس نے زندگی کے اہم ترین فیصلے کرتے ہوئے ہمیشہ محنت سے کام لیا تھا۔ مثلاً پولیس کی ملازمت کا فیصلہ۔ اس کے زمانہ طالب علمی کے ایک ساتھی نے جو خود بھی پولیس مین تھا۔ اُسے پولیس کی ملازمت کا مشورہ دیا تھا اور وہ اگلے ہی دن اس کے لیے درخواست فارم لے آیا تھا۔ ایک ہفتے بعد اُس نے ڈیوٹی بھی جوائن کر لی تھی پھر اُس نے شادی کا فیصلہ بھی سرعت سے کیا تھا اور اُس کے بعد بیوی سے طلاق کا فیصلہ بھی اور اب اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اس وقت وہ سینٹ جان کے ایک ہوٹل میں موجود تھا۔

ساڑھے نو بجے رین فیلڈ نے اُسے فون کیا۔ ”میں لابی میں ہوں، سلوکم نے تمہیں کال کیا تھا؟“

”نہیں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”میں آ رہا ہوں۔“

چند لمحے بعد رین فیلڈ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ ”میں سینٹ اوریل جا رہا ہوں۔ تم لڑکی کو چپک کر دو گے۔ سوال یہ ہے کہ تمہارا طریقہ کار کیا ہوگا، بیٹھے رہو گے؟“ رین فیلڈ نے پوچھا۔

”ہاں، میں صرف اس صورت میں یہاں سے ہٹوں گا، جب مجھے لڑکی کے کسی ملاقاتی کا تعاقب کرنا ہوگا۔“

”مناسب ہے۔“ رین فیلڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تم یقیناً پولیس میں بھی فعال رہے ہو گے۔“

”ہاں میں میز پر بیٹھ کر کام کرنے والا نہیں ہوں۔“ حارث نے کہا۔ ”سلوکم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں اس کے احکامات کی تکمیل کرتا ہوں اور بس۔“

”اور کام کے بارے میں محدود معلومات کے سلسلے میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟“

حارث نے پوچھا۔

”مجھے کیا پڑی ہے اعتراض کرنے کی۔“ لیکن حارث نے اُس کے انداز میں خفیف سی ہچکچاہٹ بھانپ لی۔

”بہر حال، معلومات میں اضافہ ہو تو اُس میں مجھے بھی شریک کر لینا۔“ حارث نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ رین فیلڈ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”اب میں چلتا ہوں، سلوکم تمہیں گیارہ بجے کے قریب فون کرے گا۔“

آدھے گھنٹے بعد حارث ہوٹل سے نکلا۔ اُس نے ایک اسٹور سے پارکا اور کچھ گرم کپڑے خریدے۔ درجہ حرارت صفر سے نیچے چلا گیا تھا۔ وہ ہوٹل واپس آیا اور سلوکم کی کال کا انتظار کرتا رہا لیکن دوپہر ہو گئی۔ سلوکم نے فون نہیں کیا۔ حارث باہر نکلا اور کار میں آ بیٹھا۔ ساڑھے بارہ بجے وہ اس پارٹمنٹ ہاؤس کے سامنے موجود تھا، جس میں وہ لڑکی مقیم تھی۔

موسم ایسا تھا کہ انجن سرد ہونے کا خطرہ رہتا تھا۔ وہ ہر بیس منٹ بعد انجن اشارت کرتا رہا۔ ڈیڑھ بجے اس کھڑکی کا پردہ ہٹا، جس کی نشاندہی رین فیلڈ نے کی تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ حارث سوچتا رہا۔ ادھوری معلومات کی روشنی میں ہدایات کے مطابق کام کیوں کیا جائے۔ یہ ممکن تھا کہ لڑکی اُسے وہ بات بتا دے، جو سلوکم اُس سے چھپا رہا ہے۔ کیوں نہ سیدھا لڑکی کے پاس جایا جائے اور اُس سے پوچھ لیا جائے۔ سوال یہ تھا کہ کیا لڑکی اُسے خود تک پہنچنے دے گی یا

وہ چوکیدار سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ ششے کے دوپٹ والے دروازے کے فوراً بعد ایک میز تھی۔ کرسی پر ایک بڑھا شخص بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی نظر نہیں اٹھائی تھی۔

وہ کار کے سردماحول میں بیٹھا خود سے اُلجھتا رہا۔ پردے اٹھنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی ہو۔ اس صورت میں وہ اس کا پیچھا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے، اس صورت میں کسی اہم شخصیت سے واقف ہونے کا موقع مل جائے۔ بالآخر اُس نے طے کیا کہ اگر وہ آدھے گھنٹے کے اندر باہر نہ نکلی تو وہ اندر جا کر اُس سے ملنے کی کوشش کرے گا۔

آدھا گھنٹا پورا ہوتے ہی حارث کار سے نکلا، سڑک کر اس کی اور گلاس ڈور کو دھکیلتا ہوا اپارٹمنٹ ہاؤس میں داخل ہوا۔ ”مارکوس..... مجھے مسٹر مارکوس سے ملنا ہے۔“ اس نے ڈور مین کو بتایا۔

”مارکوس۔“ بڑھا چند لمحے اپنے ذہن پر زور دیتا رہا پھر اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
”مس پیرٹ تو یہیں رہتی ہیں نا؟“ حارث نے پوچھا۔
بڑھا ایک لمحے کو ہچکچایا پھر اُس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں لرز نے لگیں۔
تاہم اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
”جی ہاں۔“

”میرا نام حارث سعید ہے۔“
”میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ تم سے ملنا پسند کریں گی۔“ بڑھے نے کہا اور ریسیور اٹھالیا۔ ”مس پرتھ۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”مسٹر.....؟“
”حارث سعید۔ اُن سے کہو میں مسٹر مارکوس کا دوست ہوں۔“

بڑھے نے ماؤتھ پیس میں وہی سب کچھ کہا پھر کچھ دیر سنتا رہا۔ آخر میں..... جی بہتر ہے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ وہ اب پہلے سے زیادہ مشکوک نظر آ رہا تھا اور حارث کو غور سے بھی دیکھ رہا تھا، جیسے اُس کا حلیہ ذہن نشین کر رہا ہو۔ ایک لمحے بعد لفٹ کا دروازہ کھلا۔ وہ سیدھی حارث کی طرف بڑھی۔ ”میں تو تمہیں نہیں جانتی۔“ اُس نے کہا اور چند قدم کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔

”میں مارکوس سے واقف ہوں۔“ حارث نے کہا۔
”اچھا، مجھے بھی بتاؤ، وہ کون ہے۔“ لڑکی کا لہجہ نرم تھا۔

”میں تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“ حارث نے ڈور مین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
ڈور مین نے بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ کچھ دیر سوچتی اور اُسے بہ غور دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”چلو اوپر۔“ اس کے بعد وہ بڑھے ڈور مین سے مخاطب ہوئی۔ ”مسٹر اسنجلو“ پانچ منٹ بعد مجھے فون کرنا۔ میں بتاؤں گی کہ یہ صاحب واپس جا رہے ہیں یا نہیں۔“
”بہت بہتر خاتون۔“

وہ دونوں لفٹ میں داخل ہوئے۔ حارث نے پہلی بار اُسے غور سے دیکھا۔ وہ خاصی خوبصورت تھی۔ دوسری طرف وہ بھی اُسے بہ غور دیکھ رہی تھی۔
تیسری منزل پر لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ اُسے اپنے اپارٹمنٹ میں لے آئی۔
اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہی چھوڑ آئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ رک گئی۔ ”ہاں، اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں مارکوس سے تین سال پہلے لاس اینجلس میں ملا تھا، میں یقیناً اُسے یاد ہوں گا۔“
”لیکن میں تو مارکوس نہیں جانتی۔“
”ایک منٹ۔“ حارث نے ہاتھ اٹھا کر کہا پھر اُس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ٹیلی فون کی طرف بڑھا اور ریسیور اٹھالیا۔ اُس نے ریسیور لا کے صوفے پر رکھا اور اُس کے اوپر دو نرم کشن رکھ دیے۔ لڑکی حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ”اس فون میں بگ موجود ہے۔“ حارث نے وضاحت کی۔

”تم کون ہو اور تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟“
”جن لوگوں نے یہ بگ فٹ کیا ہے، میں اُن کے لیے کام کر رہا ہوں۔ مجھے مارکوس کی تلاش پر نامور کیا گیا ہے۔ معاوضہ بہت اچھا ہے۔ اُن لوگوں کو صرف اتنا علم ہے کہ تم مارکوس کی دوست ہو اور یہاں رہتی ہو۔ میں نے یہ کام صرف اس لیے قبول کیا کہ مجھے رقم کی ضرورت ہے لیکن میرا خیال ہے، مارکوس مجھے زیادہ رقم دے سکتا ہے۔“
لڑکی بدستور اُسے گھورتی رہی۔ اُسی وقت فون کی کھنٹی بجی۔ لڑکی نے ریسیور اٹھالیا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”شکریہ مسٹر اسنجلو، میرا مہمان کچھ دیر ٹھہرے گا۔“ پھر اُس نے ریسیور کو

دوبارہ کشن کے نیچے دبا دیا۔ اب وہ حارث سے مخاطب ہوئی۔ ”میں مارکوس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔“

”تم جانتی ہو اُسے۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے اُس کی بات کرادو، فون پر ہی سہی۔“

اس بار وہ دیر تک سوچتی رہی۔ شاید فیصلہ بہت پیچیدہ تھا۔ ”ٹھیک ہے، میں کسی فون بوتھ سے اُسے فون کروں گی۔“ بالآخر اس نے کہا۔ ”اور اگر تم نے میرا پیچھا کیا تو میں ہرگز فون نہیں کروں گی۔“ حارث نے سر کو تھپی جمنش دی۔ لڑکی نے بیڈ روم کا دروازہ مقفل کیا۔ اپنا فرکوٹ پہنا اور پرس سنبالتے ہوئے بولی۔ ”بیڈ روم میں گھسنے کی کوشش نہ کرنا۔“ پھر وہ اپارٹمنٹ سے نکل گئی۔ حارث کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

ایک منٹ بعد لڑکی اپارٹمنٹ ہاؤس کے دروازے سے نمودار ہوئی اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی پہلے موڑ تک پہنچی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ حارث سوچتا رہ گیا کہ کہیں اُس نے لڑکی کو کھو تو نہیں دیا پھر سر جھٹک کر وہ کچن کی طرف گیا۔ فریج سے براؤنی کی بوتل نکال کر اُس نے ایک جام بنایا اور کھڑکی کی طرف پلٹ آیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسپور اٹھایا۔ ”نیچے آ جاؤ۔“ دوسری طرف سے لڑکی کی آواز سنائی دی۔

حارث اپارٹمنٹ سے نکلا اور نیچے آیا۔ وہ ہال میں کھڑی تھی۔ اُس کو لفٹ سے نکلتا دیکھ کر باہر کی طرف چل دی۔ حارث لپک کر اُس کے پاس پہنچا۔

”پانچ منٹ بعد تم مارکوس سے بات کر سکو گے۔“ اُس نے کہا۔ ”وہ خود رنگ کرے گا۔“

حارث اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ موڑ کے کوئی سوگزا آگے وہ فون بوتھ تھا۔ اس وقت بوتھ میں کوئی شخص کال کرنے میں مصروف تھا۔ وہ سردی سے ٹھٹھرتے انتظار کرتے رہے۔ لڑکی کا بدن کپکپا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے بوتھ خالی ہوا۔ وہ فون بوتھ میں گھسے۔ فوراً ہی فون کی گھنٹی بجی۔ الزبتھ نے ریسپور اٹھایا۔ موجود ہے۔ ”یہ کہہ کر اُس نے ریسپور حارث کو دے دیا۔ تین سال سے رابطہ ہونے کے باوجود حارث نے اُس کی آواز پہچان لی۔“

”الزبتھ نے تمہیں بتایا.....“

”ہاں۔ یہ بتاؤ، تمہیں کس نے یہ کام سونپا ہے؟“

”یہ تمام باتیں ملنے پر ہوں گی۔“

اچانک مارکوس کے لہجے میں تھکن اور فکر مندی اُتر آئی۔ ”میں اُس پرندے کی طرح ہوں جو فضا میں بے سود چکرا رہا ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں تمہارے سلسلے میں بھی یہی کیفیت ہے۔“

حارث کو اُس کی آواز میں خوف جھلکتا محسوس ہوا۔ ”تم کسی مشکل میں ہو؟“ اُس نے پوچھا۔ ”اور اگر ہو تو کس کی طرف سے؟“

”طویل کہانی ہے۔ یہ بتاؤ کہ جنہوں نے تمہیں الزبتھ کے پیچھے لگایا، انہوں نے تمہیں سودے کی نوعیت کے متعلق بھی بتایا؟“

”ہاں، لاٹینی امریکا کا ایک ملک.....“

”کون سا ملک؟“

”وہ مجھے چالیس ہزار ڈالر دے رہے ہیں، تم اپنی پیش کش کے بارے میں بتاؤ۔“ دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی، جیسے مارکوس ذہنی طور پر حساب کتاب میں مصروف ہو۔ پھر اُس کی آواز ابھری۔ ”میں تمہیں اس سے زیادہ دوں گا۔ میں تم سے کام بھی لے سکتا ہوں، تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟“

”ہالٹن میں۔“

”ٹھیک ہے، میں تمہیں پانچ بجے الزبتھ کے اپارٹمنٹ میں کال کروں گا۔“

”لیکن وہ تو بگڑے۔“

”میں تمہیں صرف وقت دوں گا۔ اُس وقت پر تم اسی بوتھ میں پہنچ جانا، جہاں سے کال کر رہے ہو۔ اور حارث محتاط رہنا، بہت خطرناک معاملہ ہے، اب ریسپور الزبتھ کو دے دو۔“ حارث نے ریسپور الزبتھ کو دے دیا۔ جو معمول میں بات کرتی رہی پھر اُس نے ریسپور ہک پر لٹکا دیا۔ وہ باہر نکل آئے۔ اپارٹمنٹ کے دروازے پر وہ رکی۔ ”تم پانچ بجے آنا، کال کے وقت۔“ اُس نے حارث سے کہا۔

”میں اپنا آدھا جام اوپر ہی چھوڑ آیا تھا۔“ حارث نے شیشے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے

کہا۔ الزبتھ نے مزید بحث نہیں کی۔

اپارٹمنٹ پہنچتے ہی وہ کچن میں چلی گئی۔ حارث جام اٹھا کر کھڑکی کی طرف چل دیا۔ ”کچھ کھاؤ گے؟“ الزبتھ نے کچن میں سے پوچھا۔

”اگر کچھ مل جائے تو انکار نہیں کروں گا۔“ حارث نے کہا اور کچن کی طرف چل دیا۔ ”تم مارکوس سے آخری بار کب ملی تھیں؟ وہ کہاں رہ رہا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

وہ فراننگ پیس میں انڈے توڑ رہی تھی ”بارہ دن پہلے نیویارک میں ملی تھی اُس سے۔“ اُس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔ ”یہاں آنے کے بعد سے نہیں ملی ہوں۔ دو دن پہلے فون کر کے اُس نے مجھے ایک نمبر دیا تھا۔“

”مجھے مل سکتا ہے وہ نمبر؟“

”نہیں۔“ الزبتھ نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ”یہ بتاؤ، تم اُس کے مخالفین کے لیے

کام کیوں کر رہے ہو؟“

”اب سے دس منٹ پہلے تک میں سمجھ رہا تھا کہ صورت حال میرے قابو میں ہے۔“

حارث نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ ہے کہ نیچے ہرے رنگ کی ایک شیور لیٹ موجود ہے۔“ اس میں بیٹھے

ہوئے شخص نے فون بوتھ تک ہمارا تعاقب کیا تھا۔“

الزبتھ نے فراننگ پیس چولھے سے اتار کر ایک طرف رکھا اور چند لمعے خالی خالی نکتی رہی پھر وہ کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم کی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ حارث اُس کے پیچھے تھا۔ الزبتھ نے کھڑکی سے دیکھا، نیچے واقعی ہری شیور لیٹ موجود تھی۔ البتہ وہ کار میں موجود شخص کے خدو خال نہیں دیکھ سکتی۔ ”تمہیں یقین ہے کہ اُس نے ہمارا تعاقب کیا تھا؟“ اُس نے حارث سے پوچھا۔

حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اُسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ پہلے اُس کے چہرے پر الجھن تھی لیکن اب الجھن کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔ وہ کچن میں گیا۔ اس بار اُس نے دو جام بنائے۔ وہ واپس آیا تو الزبتھ بدستور کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر تشویش

اور خوف کے سائے لرز رہے تھے۔ حارث نے جام اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس نے جام لیا اور تھکے تھکے انداز میں کاؤچ پر ڈھیر ہو گئی۔

حارث اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ ”مارکوس نے کبھی تمہیں میرے بارے میں بتایا؟“ اُس نے پوچھا۔ الزبتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہم لاس اینجلس میں ملے تھے۔“ حارث نے اُسے بتایا۔ ”میں پولیس میں تھا مجھے پانچ لاکھ ڈالر کا فراڈ کا کیس تفتیش کے لیے دیا گیا۔ مارکوس سرغنہ تھا۔ کیس میں چند افراد اور ملوث تھے۔ مارکوس نے بڑی صفائی سے کام کیا تھا اور جانتا تھا کہ اُسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اکثر مجھے مدعو کرتا تھا کہ میں اُسے تفتیش کے متعلق بتاؤں۔ اُس کے پارٹنرز کے خلاف تحقیقات جاری تھیں لیکن وہ بہت مطمئن تھا۔ اُس کی بد معاشی کے باوجود میں اُس کی ذہانت کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔“

”مجھے بتاؤ، یہ نیچے موجود شخص کون ہے؟“ الزبتھ نے تیز لہجے میں پوچھا۔ شاید اُس کا خیال تھا کہ وہ اُس سے حقیقت چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

”مجھے نہیں معلوم لیکن تم فکر نہ کرو۔ وہ اوپر آیا تو میں اُس سے نمٹ لوں گا۔ میرے پاس ریوالور ہے۔“

”ایسے ہی شوٹ کر دو گے، بغیر جانے بوجھے؟ کیا پتا، اس کا تعلق پولیس سے ہو۔“ حارث اُس لمحے اس خور بصورت لڑکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جو مارکوس کے جال میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کے ساتھ کیا رویہ رکھے، اگر اُس سے کوئی کام کی بات اگلوانی تھی تو ضروری تھا کہ وہ اُسے خوفزدہ ہونے سے بچائے۔ ”تم فکر نہ کرو، میں شاختہ کا غذات دیکھے بغیر کبھی کسی کو شوٹ نہیں کرتا۔“ اُس نے کہا۔

الزبتھ نے چونک کر اُسے دیکھا پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ اُس نے جام سے دو طویل گھونٹ لیے۔ حارث نے کچن میں جا کر چولھا بجھا دیا۔ اُس نے کھانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ الزبتھ سے سوالات کرنا کھانے سے زیادہ اہم تھا۔ اُس نے جلدی سے دو جام بنائے۔

الزبتھ نے کہا۔ ”میں اور نہیں پیوں گی۔“

”بس، ایک جام اور۔“ حارث نے اصرار کیا۔ ”اگر مجھے رقم کی ضرورت نہ ہوتی تو

میں یہ کام کبھی قبول نہ کرتا۔ مجھے مکمل معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔“ وہ بچن سے نکل آیا۔
الزبتھ نے جام تھامتے ہوئے کہا۔ ”حالانکہ اس کی وجہ سے مارکوس کے لیے خطرات
بڑھ گئے ہیں۔“

”میرے خیال میں وہ پہلے ہی اپنے لیے مصیبتیں خرید چکا تھا۔ اُس نے تمہیں بھی
مصیبت میں پھنسا دیا۔ تم مجھے کچھ بتانا پسند کرو گی؟“

الزبتھ خاموش رہی۔ اگلے ایک گھنٹے حارث اُسے پلاتا رہا۔ اور وہ تھوڑا تھوڑا کر کے
کھلتی رہی۔ اس نے بتایا کہ وہ پہلی بار مارکوس سے کب اور کیسے ملی تھی۔ یہ بات قطعاً غیر اہم تھی
لیکن خوش آئند بھی تھی کہ وہ کھل رہی ہے۔ حارث اس دوران اُسے اپنے بارے میں بتاتا رہا۔
وہ بڑی توجہ سے سنتی رہی۔ حارث نے اپنی زندگی اُس کے سامنے پوری طرح کھول کر رکھ دی۔
اچانک حارث کو احساس ہوا کہ الزبتھ پریشان ہے۔ مارکوس کی کال کے بعد سے.....
مارکوس نے اُس سے نہ جانے کیا کہا ہوگا پھر الزبتھ کی اچانک بے تکلفی نے اُسے سب کچھ سمجھا
دیا۔ اس بے تکلفی میں بھی کھنچاؤ تھا، کراہیت تھی۔
”اُس نے تم سے یہی کہا ہے نا کہ اپنے حسن کی رشوت دے کر مجھ سے معلومات
حاصل کرو۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مجھے رشوت کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو ویسے ہی تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔“
حارث نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور بولا۔ ”سواچھ بجے ہیں۔ اُس نے پانچ بجے فون کرنے کو کہا
تھا۔ میں ہوٹل میں ہوں۔ کوئی خطرہ محسوس ہو تو مجھے فون کر دینا۔ مارکوس رابطہ قائم کرے تو مجھے
فون کر دینا۔ اپارٹمنٹ تک ہی محدود رہنا۔ آدمی پہنچانے بغیر کبھی دروازہ نہ کھولنا۔ تمہیں اب محتاط
رہنا ہوگا۔“

وہ نیچے اتر اور اپنی کار میں آ بیٹھا۔ سبزیور لیٹ موجود نہیں تھی۔ وہ کار میں بیٹھا رہا۔
آٹھ بجے الزبتھ کے اپارٹمنٹ کی جی بجھ گئی۔ سبزیور لیٹ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اُس
نے انجن اشارت کیا اور کار آگے بڑھا دی۔ ہوٹل پہنچتے ہی اُس نے روم سروس کو فون کر کے
کھانا منگوایا۔ اُس نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے سلوکم بول رہا تھا۔ ”میں

ہال میں ہوں، اوپر آ رہا ہوں۔“ سلوکم نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔
دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور سلوکم کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔ ”لڑکی
کے اپارٹمنٹ میں کیا ہوا؟ تم نے کہا..... ایک منٹ، اس کے بعد ہمارا ریسور خاموش ہو گیا۔ تم
نے گڑبڑ کی..... کیوں؟“

حارث سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ”میں اپنے کام کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔“
”مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو۔ ہمارے ساتھ ہو یا ہمارا ساتھ چھوڑ رہے ہو؟“
سلوکم نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”ممکن ہے، تمہارا ساتھ چھوڑ دوں۔ اس صورت میں تمہارا رد عمل کیا ہوگا؟“
سلوکم ایک لمحے کو فکر مند نظر آیا۔ معاوضہ بڑھوانا چاہتے ہو؟ کتنا؟“
حارث نے نفی میں سر ہلایا۔ ”تم جانتے ہو، بات صرف اتنی سی ہے کہ میں معاملے
کی نوعیت سے پوری طرح واقف ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارے بگ کو بیکار کر کے لڑکی
سے یہی بات پوچھی اور پھر مارکوس سے۔“
”کیا! کیا تم مارکوس سے بھی مل لیے؟“ سلوکم نے بیجانی لہجے میں کہا۔

”نہیں، فون پر بات کی تھی۔“
”ناممکن، کال کی حد تک بگ کام کر رہا تھا۔“
”لڑکی نے مجھے ایک فون بوتھ میں لے گئی تھی، مارکوس نے وہاں رنگ کیا تھا۔“
”کوئی کام کی بات نہیں ہوئی۔ اُس نے دوبارہ فون کرنے کو کہا تھا لیکن نہیں کیا۔ وہ
خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔“

”خوفزدہ! کس بات سے؟“
”یہ تو مجھے معلوم نہیں۔“
”کال لوکل تھی؟“

”میرا اندازہ تو یہی ہے کہ وہ یہیں موجود ہے۔“
”لعنت ہے، تو پھر وہ رابطہ کیوں نہیں کرتا۔ لیکن سے ہمارے پاس سودا مکمل
کرنے کے لیے چار ہفتے کی مہلت ہے اور وہ مردود رابطہ قائم نہیں کر رہا ہے۔“

حادث نے بہ غور اُسے دیکھا۔ وہ فکر مند بھی تھا اور نروس بھی۔ ”میرے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔“

سلوکم چند لمحے اُسے نگاہوں میں تو لتا رہا پھر اُس نے پوچھا۔ ”اب تم کیا کرو گے؟“
 ”کھانا کھاؤں گا، وہ سونے کے لیے لیٹ چکی ہے۔“
 ”اور صبح؟“

”صبح معمول کے مطابق اُس کی نگرانی کروں گا۔“

”اُسی وقت وائر کھانا لے آیا۔ وائر کے جانے کے بعد حادث نے کھانے پر جھکتے ہوئے کہا۔ ”سبزشیور لیٹ میں ایک شخص لڑکی کے اپارٹمنٹ کی نگرانی کر رہا تھا۔“
 سلوکم جو باہر جانے کے لیے دروازہ کھول چکا تھا، بری طرح چونکا۔ ”کیا..... نگرانی؟“ حادث نے اثبات میں سر ہلایا۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔“

”اُس نے فون بوتھ تک ہمارا تعاقب کیا تھا اور پھر دوبارہ کار میں جا بیٹھا تھا۔ سات بجے تک وہ موجود رہا پھر پولیس والوں کی طرح جیسے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے چلا گیا۔“
 ”کیا کو اس ہے، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔“ سلوکم جھنجھلا گیا۔ ”کل اگر وہ نظر آئے تو اُسے چیک کرو۔ پہلا کام یہی ہے کہ معلوم کرو، وہ کون ہے؟ میں رین فیلڈ کو لڑکی کی ڈیوٹی پر لگا دوں گا۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔



سبھاش مانا گو آئیں جنرل انٹونیو سے چوتھی ملاقات کے لیے آیا تھا۔ وہاں اس کا استقبال ایسے کیا گیا، جیسے وہ کسی ملک کا سربراہ ہو اور سرکاری دورے پر آیا ہو۔ وہیل چیئر پر لایا گیا تھا اور اُس کے ہمراہ ایک پورا وفد بھی تھا۔ جنرل انٹونیو نے معذرت خواہانہ انداز میں مملکت کے اہم عہدے داروں سے سبھاش کا تعارف کرایا۔ اُس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ سبھاش کو زحمت دے رہا ہو لیکن سبھاش اُن تمام لوگوں کی اہمیت سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ محض وزراء اور سیکریٹری نہیں، وہ لوگ تھے جن کے بل پر انٹونیو اپنا اقتدار قائم رکھے ہوئے تھا۔ سبھاش کو محل کے مہمان خانے میں لایا گیا، جسے اُس کے لیے بہ طور خاص آراستہ کیا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد سبھاش اور جنرل انٹونیو مہمان خانے میں تنہا رہ گئے۔ ”میرا خیال ہے،

مذاکرات مکمل ہو چکے ہیں مسٹر گپتا اور صرف معاہدے پر دستخط ہونے ہیں۔“ جنرل نے کہا۔
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملاقات کا مقصد کیا ہے؟“

”ایک تو میں اپنے ڈیزائنرز کو کل کامیابی کا حشرتی حصہ دکھانا چاہتا تھا تاکہ وہ اس پر تبدیلیوں کی پلاننگ کر سکیں۔ دوسرے ہمارے مذاکرات کے ایک نکتے پر کام نہیں ہوا ہے۔ اہم نہ سہی لیکن وہ مسئلہ حل ہو جانا چاہیے۔“

”اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو مسٹر گپتا؟“ جنرل کے لہجے میں بیزاری تھی۔ اُس کی دانست میں سبھاش اور اُس کے ساتھی سرمایہ داروں نے زبردست سودے بازی کی تھی۔ اب مزید کوئی مطالبہ اُس کے نزدیک قابل غور نہیں ہو سکتا تھا۔

”ایک ماہ پہلے بات ہوئی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تم اپنی انٹیلی جنس کے ذریعے اس سودے کے سلسلے میں امریکی حکومت کے رد عمل کا اندازہ لگاؤ گے۔ میں بنیادی طور پر بھارتی ہوں لیکن مجھے سمیت میرے تمام ساتھیوں کی پیشتر صنعتیں امریکا ہی میں قائم ہیں۔ امریکی حکومت کے رد عمل کی ہمارے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے۔“

جنرل چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔ ”موجودہ امریکی صدر بے حد نرم مزاج ہے۔ وہ اور اُس کی انٹیلی جنس کو دو باتوں کا علم ہے۔ پہلی تو یہ ہے کہ اس ملک میں سموزا فیلٹی کے اقتدار کے دن گئے جا چکے ہیں، دوسری یہ کہ یہاں کمیونسٹوں کا اثر و نفوذ بڑھ رہا ہے۔ میرا اور میری انٹیلی جنس کا خیال ہے کہ وہ کمیونسٹ حکومت پر آپ لوگوں کی سرمایہ دارانہ حکومت کو ترجیح دیں گے۔“

”کمال ہے، دیت نام میں جو کچھ ہوا۔ وہ بالکل مختلف تھا۔“ سبھاش نے اعتراض کیا۔ ”وہاں امریکی حکومت نے دس لاکھ آدمی مار دیے اور آخر میں دیت نام کو کمیونسٹوں کے سپرد کر دیا۔“

”مسٹر گپتا۔ تمہارا اسٹائل خالص امریکی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہر مسئلے کا حل منصوبہ بندی ہے۔ لیکن اس بار تم کوئی جہاز نہیں بلکہ ایک بڑا ملک خرید رہے ہو۔ جہاز کے ساتھ عملہ ہوتا ہے۔ اس عملے کو قابو میں رکھنا ہوتا ہے پھر سمندری سفر ہوا رہی ہوتا ہے اور طوفانی بھی اور طوفان کی آمد کا پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ طوفان کو گفت و شنید اور مذاکرات کے ذریعے نہیں روکا جاسکتا۔ ہم چالیس سال سے یہ ملک چلا رہے ہیں اور ہمیں امریکی حکومت کی مدد حاصل رہی ہے لیکن

اب امریکا ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ رہا ہے۔ یہ فیشن ہے۔ تم اور تمہارے ساتھی اس سودے کے ذریعے اس ملک کو بچالو گے، ورنہ یہی حال رہا تو بیس سال بعد جنوبی امریکا کا ہر دارالحکومت ہوانا ہوگا اور ہر ملک کیوبا۔“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ میں اور میرے ساتھی پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔“

”مسٹر گیتا! سات ماہ سے مذاکرات چل رہے ہیں۔ معاہدے پر دستخط کے لیے تین مقرر کردہ تاریخیں گزر چکی ہیں۔ اب یہ چوتھی تاریخ ہے 5۔ جون..... اور یہ آخری تاریخ ہے۔“

”ہاں، بشرطیکہ تم اور تمہارے مشیر ہمیں آخری آئٹم فراہم کر دیں۔“

”وہ کیا؟“ جنرل نے بیزاری سے پوچھا۔

”تم نے اور تمہاری گورنمنٹ نے مجھے جو اعداد و شمار کی فائلیں اور ضروری کاغذات فراہم کیے ہیں، اُن کا وزن ایک ٹن سے زیادہ ہے۔ ہمارے لیے یہ درد سبب بن گیا ہے۔ ہم گوشواروں کے آدمی ہیں۔“

”میں سمجھا نہیں۔“

”میں چاہتا ہوں کہ تمہارے آدمی ہمیں ایک مکمل فہرست فراہم کر دیں۔ پہلے دن سے پچاسویں دن تک۔ پہلا دن معاہدے پر دستخط کا ہے۔ اس روز جنرل سینڈز کی جگہ ہمارے آدمی جنرل زیلیٹا کی تقرری کا اعلان ہوگا۔ اُس روز محل، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن کی حفاظت کا خصوصی بندوبست کیا جائے گا۔ جنرل سینڈز عوام میں مقبول ہے، چنانچہ کچھ علاقوں میں کرفیو کے امکانات کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ پہلے ہفتے کے اختتام پر پولیس چیف کی تبدیلی ہوگی۔ تم میری بات سمجھ رہے ہونا؟“

”اس سلسلے میں تمام جزئیات پہلے ہی طے پا چکی ہیں۔“ جنرل انونیو نے کہا۔

”میں ان جزئیات کو ایک دستاویز کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرے پارٹنرز مطمئن ہو جائیں۔“ سمبش نے کہا۔ ”اس طرح سب کچھ زیادہ سے زیادہ سوشلٹ میں سمٹ جائے گا۔ پچاس دن کے متعلق سوشلٹ۔ تم کس موقع پر کس رد عمل کی توقع کر رہے ہو اور اُس سے کس طرح نمٹو گے۔ وہ پچاس دن تم کیسے گزارو گے۔ میں یہاں پچاسویں دن آؤں گا۔“

میرے ساتھی اعداد و شمار کے ماہر نہیں لیکن بے حد ذہین ہیں۔ مجھے ان کی ذہانت کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہے۔ یہ صورت حال ایک چیلنج ہے۔ اس سے پہلے کبھی کسی ملک کا انتظام جینٹس کا روباریوں نے نہیں سنبھالا، سمجھ رہے ہوتا۔“



حادث اپنے ہوٹل سے الزبتھ کے اپارٹمنٹ ہاؤس کے لیے نکلا تو شہر سے کھرچھٹ رہی تھی۔ البتہ بندرگاہ کا علاقہ اب بھی کھر کی لپیٹ میں تھا۔ تین گھنٹے تک وہ اپنی کار میں بیٹھا الزبتھ کے اپارٹمنٹ کی بند کھڑکی کو تکتا رہا۔ اس دوران وہ وقفے وقفے سے اُنجن اشارٹ رکھتا رہا تھا۔ اب گیارہ بجے تھے۔ مارکوس کی تلاش شروع کیے اُسے تیسرا دن تھا۔ اُسے اپنے اہم ترین سوالوں کا اب تک کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ وہ ایک پیچیدہ کھیل میں ملوث تھا، جس کا ایک ہی ضابطہ تھا اور وہ یہ کہ اُسے ہر ضابطے سے محروم رکھا جائے۔ اُس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے..... ہو کر رہے گا۔

اُس نے گھڑی دیکھی اور فیصلہ کیا کہ الزبتھ اب یقیناً اُٹھ گئی ہوگی۔ اُسے اوپر جانا چاہیے۔ اب وہ کار سے نکلنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہا اُس کی نظر عقب نما آئینے کی طرف اُٹھ گئی۔ ایک سرخ کار اُس کی کار کے عین پیچھے پارک کی جا رہی تھی۔ کار میں چار افراد تھے۔ لیکن وہ دُھندلائے ہوئے ونڈ اسکرین کی وجہ سے اُن کی شکلیں دیکھنے سے قاصر تھا۔ ویسے بھی انہوں نے اپنے اپنے پارک کے کالراٹھار کھے تھے۔ کار کے اندر ماحول اتنا سرد تو نہیں ہوتا۔ ابھی وہ غور ہی کر رہا تھا کہ سرخ کار کا ڈرائیور باہر نکلا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اُس نے اندھا دُھند حادثہ کی کار پر فائرنگ شروع کر دی۔

ایک لمحے کو تو حادثہ بت بن کر رہ گیا پھر اُس نے تیزی سے اپنی کار اشارٹ کی۔ اُس کی کار کے عقبی پیہوں نے برف اُڑائی۔ فائر کرنے والا اُس برف کی زد میں آیا۔ حادثہ کی کار گولی کی طرح آگے بڑھی۔ اُس شخص نے مزید فائر کیے اور پھر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر چھلانگ لگا دی۔

حادثہ نے اپنی کار کو بائیں جانب موڑا۔ اُسے کہیں موقع پا کر کار روک رہی تھی۔ اُس کا ریوالور کار کی ڈکی میں رکھے ہوئے بیگ میں تھا۔ ریوالور نکالنے کے بعد اُسے اُن کا پیچھا کرنا

تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہیں اور اس اچانک دیوانگی کا کیا مقصد ہے۔ سو گز آگے ایک چوراہے پر اُس نے کار موڑی اور بریک لگائے پھر اُس نے لپک کر ڈکی کھول کر بیک میں سے اپنا ریوالور نکالا۔ اس دوران سرخ کار چوراہے سے سیدھی نکلی چلی گئی اُس نے کار اشارت کی، یوٹرن لیا اور اپنی کار کو اُس سڑک پر دوڑا دیا، جس پر سرخ کار گئی تھی۔ دس منٹ بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ تعاقب بے سود ہے۔ سرخ کار کسی بھی موڑ پر مڑ گئی ہوگی۔

پندرہ منٹ بعد اپارٹمنٹ ہاؤس کی طرف واپس آ گیا۔ اُس نے گاڑی کچھ پیچھے کھڑی کی۔ جہاں فائرنگ ہوئی تھی، وہاں دس بارہ افراد جمع تھے۔ وہ بھجائی انداز میں اشارے کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ پھر حارث نے ایک پولیس کار کو جائے وقوعہ کی طرف جاتے دیکھا۔ حارث اپنی کار سے اُترا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ اپارٹمنٹ ہاؤس کا ڈور مین بھی ہجوم میں موجود ہے۔ اُس نے خاموشی سے سڑک کر اس کی اور لفٹ میں بیٹھ کر تیسری منزل پر جا اُترا۔

الزبتھ کا چہرہ خفلی کھا رہا تھا کہ وہ گزشتہ رات ٹھیک طرح سے نہیں سو سکی ہے۔ تاہم اُس نے گرم جوشی سے حارث کا خیر مقدم کیا۔ ”یہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ پہلے فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں پھر لوگوں کا شور، اور ابھی میں نے پولیس کو آتے دیکھا ہے۔“

حارث نے سمجھ لیا کہ الزبتھ کو صورتِ حال کا بالکل علم نہیں ہے۔ ”مجھے نہیں معلوم، شاید کوئی حادثہ ہوا ہے۔ تمہارا ڈور مین بھی نیچے موجود نہیں تھا۔“ اُس نے جواب دیا۔

”مارکوس نے فون نہیں کیا۔“ الزبتھ نے اُسے بتایا۔

حارث کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ ”تو کیا تمہیں توقع تھی کہ وہ فون کرے گا؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں۔“

حارث اُسے کوٹ پہنتے دیکھتا رہا۔ ”کہیں جارہی ہو؟“

”ہاں، مجھے باہر نکلنے دس دن ہو گئے ہیں۔ اب میرا دم گھٹنے لگا ہے“ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ الزبتھ نے تند لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ”وہ شیور لیٹ والا اب بھی نیچے موجود ہے؟“

”نہیں، اچھا چلو وہ پھر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔“

وہ باہر نکل آئے مجمع چھٹ چکا تھا۔ البتہ دو آدمی پولیس والوں سے باتیں کر رہے

تھے۔۔۔۔۔ وہ کار میں آ بیٹھے۔ حارث نے ہالٹن کے قریب ایک فرانسیسی ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک دی۔ اُسی وقت اُسے سڑک کے دوسری طرف سبز شیور لیٹ کھڑی نظر آئی۔ کار میں وہی آدمی موجود تھا۔ جسے اُس نے گزشتہ روز دیکھا تھا۔ اُس نے کار کے بارے میں بتا کر الزبتھ کو ہراساں کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ریسٹورنٹ تقریباً خالی تھا۔ وہ دیر تک مینو سے اُلجھتے رہے۔ درحقیقت انہیں ایک دوسرے کی قربت عجیب لگ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کی جائے۔ ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد حارث نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے اندازہ ہو گیا کہ یہ خاصا مشکل کام ہے۔ ایک طرف تو وہ خود پر نامعلوم افراد کے حملے کی وجہ سے اُلجھن میں تھا۔ دوسری طرف وہ اجنبی لڑکی جواب اُسے اجنبی نہیں لگتی تھی۔

”مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔“ حارث نے الزبتھ سے کہا۔“

الزبتھ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ ”میں نیو یارک میں پیدا ہوئی۔ نو سال کی عمر تک وہیں رہی پھر میں دس سال یونان میں رہی۔ میرا باپ یونان میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جتنی تیزی سے دولت کماتے تھے، اتنی ہی تیزی سے گنوانے کے عادی تھے۔ زندگی میں دوبارہ وہ فلاح ہوئے۔ دونوں بار انہوں نے مجھے میری پھوپھی کے پاس ایتھنز بھیج دیا۔ یونان کا طرزِ زندگی بے حد قدامت پسندانہ تھا۔ 19 سال کی عمر میں، میں امریکا واپس آئی۔ چار سال بعد مارکوس سے ملاقات ہوئی۔ میں پانچ سال سے اُس کے ساتھ ہوں۔ زیادہ تر وقت میں اُس کی منتظر رہتی ہوں اور اُس کے فون کا لڑ، تحفوں اور وعدوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔“

”تمہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کیسا آدمی ہے؟“

”کیا فرق پڑتا ہے۔“ الزبتھ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ میکسیکو میں چھ ماہ اُس نے بڑے ڈھنگ سے ایک بینک میں ملازمت کی لیکن اس تمام عرصے میں وہ ناخوش اور غیر مطمئن رہا۔ وہ صرف اپنے لیے کام کرنا چاہتا ہے اور ایسا صرف ایک ہی حیثیت میں ممکن ہے۔۔۔۔۔ جھوٹ بولنا۔۔۔۔۔ بے ایمانی کرنا۔ بس وہ ایسا ہی ہے وہ خود بدل نہیں سکتا۔ میں نے بھی تھک ہار کر اپنی کوششیں ترک کر دیں۔“

حارث چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا، میرے خیال میں تمہارا تجزیہ سو فیصد درست ہے۔“

”اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔“ الزبتھ نے کہا۔

”کیا بتاؤں؟“

”تم شادی شدہ ہو، بچے ہیں تمہارے؟“

”میں تین سال شادی شدہ رہا پھر طلاق ہو گئی، بچہ کوئی نہیں۔“

”طلاق کیوں ہوئی؟“

”خود غرضی..... حماقتیں..... لیکن صرف میری۔“

”پھر بھی، کوئی وجہ تو ہوگی؟“

”میں نے شادی کر کے غلطی کی تھی۔ میں اپنے کام سے شادی کر چکا تھا۔ پولیس

مین کی ملازمت ایسی ہی ہوتی ہے..... چوبیس گھنٹے کی۔ اس محکمے میں اپنی بٹاکے لیے اپنے اعصاب کو ہمہ وقت کشیدہ رکھنا پڑتا ہے تاکہ کسی بھی وقت، کسی بھی بحران کا مقابلہ کامیابی سے کیا جاسکے۔ ناکامی کا مطلب موت ہوتا ہے۔“

”بحران سے کیا مراد ہے تمہاری؟“

”دیکھو نا، فرض کرو۔ میں کسی کا چالان کر رہا ہوں۔ کوئی بھی شخص جس تیزی سے

ڈرائیونگ لائسنس نکالتا ہے، اسی تیزی سے ریوالور بھی نکال سکتا ہے۔ دنیا دیوانوں سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے جس لڑکی سے شادی کی، وہ زندگی سے بھرپور تھی۔ میں نے سوچا، شاید مجھے زندگی سے متعارف کرادے گی، یہ میری خود غرضی تھی۔ میں اُسے استعمال کر رہا تھا لیکن بات بنی نہیں۔ وہ گھر میرا انتظار کرتی۔ کبھی ڈرتی ہوگی کہ کہیں میرے بجائے میری لاش گھر نہ آئے۔ میں واپس آتا تو شہر کی سڑکوں سے اعصابی کشیدگی سمیٹ کر ٹوٹا چنٹا آتا۔ اُس نے تین سال اذیت اٹھائی اور پھر میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ میرے خیال میں اُس نے ٹھیک کیا۔“ اچانک حارث کو احساس ہوا کہ اُس نے یہ باتیں تو کبھی کسی قریبی شخص کو بھی نہیں بتائیں۔ اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ کیا اُس نے اس لیے یہ سب کچھ بتایا کہ وہ اجنبی ہے..... یا وہ چاہتا ہے کہ الزبتھ اُسے جانے، سمجھے۔

کھانا آگیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ اچانک حارث کو اپنی طبیعت گری گری محسوس ہوئی۔ وہ اس کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ سڑک پر موت اُس کی تلاش میں تھی لیکن وہ اس صورتِ حال سے نمٹنا جانتا تھا۔ وہ خود کو ٹوٹا رہا لیکن یقین سبب سے نظریں چراتا

رہا۔ وہ اپنے مقابل بیٹھی ہوئی لڑکی کے لیے کڑھ رہا تھا، جس کے دل پر مارکوس کی حکمرانی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد اُس نے الزبتھ کو سبز شیور لیٹ کے بارے میں بتایا۔

وہ خوفزدہ نظر آنے لگی۔ ”تم فکر نہ کرو۔ میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اُسے چیک کر کے ابھی آتا

ہوں۔“ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا پھر اُس نے ریزگاری کے لیے اپنی جیسین ٹولیں۔ اُس کے

پاس بیس ڈالر کے دونوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اُس نے الزبتھ سے کہا الزبتھ نے اپنا بیگ

کھول کر پانچ ڈالر کا نوٹ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ بیگ میں کئی کریڈٹ کارڈ فولڈر موجود تھے۔

اُس نے الزبتھ سے بل منگوانے کو کہا اور فوراً واپس آنے کا وعدہ کر کے ریسنورنٹ سے نکل آیا۔

اُس نے سڑک کر اس کی اور سبز شیور لیٹ کے قریب سے گزرا۔ کار میں بیٹھے ہوئے

فحص نے اُس کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ حارث نے اُس کا حلیہ ذہن میں محفوظ کیا۔ چند قدم

آگے ایک اپارٹمنٹ ہاؤس تھا۔ وہ اُس میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے وہ سڑک پر نظر رکھ سکتا تھا،

شیور لیٹ پر بھی اور ریسنورنٹ کے دروازے پر بھی۔ الزبتھ نے 35 منٹ اس کا انتظار کیا۔ وہ

باہر نکلی تو فکر مند تھی۔ اُس کے چہرے پر الجھن کا تاثر بھی تھا۔ باہر نکل کر اُس نے چاروں طرف

دیکھا پھر شاید اُس نے ویٹر سے کچھ کہا، جس نے فون کر کے ٹیکسی منگوائی۔ پانچ منٹ بعد ٹیکسی

آئی۔ الزبتھ ٹیکسی میں بیٹھی۔ ٹیکسی چل دی۔ اُس کا رخ اُس کے اپارٹمنٹ ہاؤس کی طرف تھا۔

شیور لیٹ والا ٹیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔

حارث باہر نکلا اُس نے سڑک کر اس کی اور ریسنورنٹ میں چلا گیا۔ اُس نے ویٹر

سے الزبتھ کے بارے میں پوچھا۔ بل کے بارے میں دریافت کیا، پتا چلا کہ الزبتھ نے چالیس

ڈالر کا بل ڈائنرز کلب کے کریڈٹ کارڈ کی شکل میں ادا کیا ہے۔ ویٹر کے انداز میں ناپسندیدگی

تھی۔ حارث نے بیس ڈالر کے دونوں نکال کر اُسے تھمائے اور کارڈ واپس لے لیا۔ کارڈ پر اُس

کا نام الزبتھ مورس تحریر تھا۔

وہ ریسنورنٹ سے نکلا اور اپنی کار میں اپارٹمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس

نے پورے بلاک کا چکر لگایا لیکن سبز شیور لیٹ کہیں موجود نہیں تھی۔ اُس نے اپنی کار ایک ٹرک

کے عقب میں اسٹریٹ لیمپ کے قریب ہی پارک کر دی۔ اب الزبتھ کے اپارٹمنٹ کی کھڑکی

سے اُسے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

وہ اپارٹمنٹ ہاؤس میں داخل ہوا، ڈور مین کے ذریعے الزبتھ سے اوپر آنے کی اجازت لی اور اُس کے اپارٹمنٹ میں چلا گیا۔ ”کیا ہوا تھا؟“ الزبتھ نے اُس سے پوچھا۔

”میں نے سبز شیور لیٹ کا تعاقب کیا لیکن وہ کیمخت مجھے ڈانچ دے گیا۔“ حارث نے بتایا۔ ”تم نے ریٹورنٹ کا بل دے دیا ہوگا۔“

وہ مطمئن نظر آنے لگی۔ ”معمولی سا بل تھا۔“ اُس نے کہا۔ ”یہ شخص کون ہو سکتا ہے؟ شیور لیٹ والا۔“

”ممکن ہے، کوئی پولیس والا ہو، تمہیں ایک بات بتاؤں۔ پچھلی بار جو میں یہاں آیا تھا تو نیچے رش کیوں تھا۔ ایک آدمی نے اپنی کار سے اتر کر مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ کار میں تین آدمی اور تھے۔ میں نے کار کا تعاقب کیا لیکن ذرا سی چوک کی وجہ سے وہ نکل گئے۔ میں نے تمہیں نہیں بتایا کیونکہ میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتا تھا لیکن تمہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ تم کتنی مصیبتوں میں گھری ہوئی ہو۔“

الزبتھ صوفے پر ٹک گئی۔ انداز سے لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے رو پڑے گی۔ لیکن پھر اُس نے خود کو سنبھال لیا۔ ”کون تھے وہ لوگ؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم، بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ سرخ کا رتھی اور اُس کے ڈرائیور نے مجھ پر فائرنگ کی تھی۔“

وہ کسی سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگی۔ شاید تصور کر رہی تھی کہ کچھ لوگ اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

حارث کو احساس ہو گیا کہ وہ دو متضاد فیصلوں کے درمیان معلق ہے۔ ایک طرف تو وہ اُسی کے ذریعے مارکوس کو تلاش کرنے کا خواہش مند تھا۔ وہ بہت سے سوالوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اور اُسے وہ جواب الزبتھ سے مل سکتے تھے۔ ”تم نے تو ایسی کوئی سرخ کار نہیں دیکھی؟ میرے خیال میں وہ کریسلر تھی۔“ اس نے پوچھا۔

الزبتھ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے مجھے اُسی وقت کیوں نہیں بتایا؟“

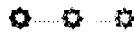
”میں تمہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ تم مجھ پر اعتبار کرنا سیکھ لو میں چاہتا ہوں تم میرے سوالوں کا جواب

دینے لگو۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ حارث نے اُس کا ہاتھ تھاما اور اسے دلاسا دیتا رہا۔ بالآخر اُس کے بدن کی لرزش موقوف ہو گئی۔ ”تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”مجھے مارکوس کی تلاش ہے۔ وہ کچھ جانتا ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ مارا جائے گا۔“ وہ پھر رونے لگی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔ ”کل مارکوس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تمہیں اپنے حسن کے دام میں الجھاؤں۔ تم نے بھانپ لیا۔ تم نے صورتِ حال کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اب میں چاہتی ہوں..... تمہیں!“

حارث حیران رہ گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ریٹورنٹ میں وہ متاسف تھا کہ وہ حسین لڑکی مارکوس کی اسیر ہے۔ اسے مارکوس کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا ہوگا لیکن اب..... اور وہ جانتی تھی کہ اُسے چاہئے لگا ہے اور وہ اُس کی چاہت کا مثبت جواب دے رہی تھی۔ اُس نے اُسے اظہار کی مجبوری زحمت سے بچا لیا تھا۔



حارث کی آنکھ کھلی تورات کی گناہ جیسی تاریکی کرے کو اپنی پلیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں آنے والی عورتوں کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اُس کے تصور میں اُس کی بیوی کا چہرہ بھی نہ ابھرا، جس کے ساتھ اُس نے تین سال گزارے تھے پھر بھی وہ جانتا تھا کہ اس لڑکی الزبتھ کو مرتے دم تک نہیں بھول سکے گا۔

وہ اُس لڑکی کو مارکوس کے ڈوبتے ہوئے جہاز کے ساتھ غرقاب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مارکوس کو جلد یا بہ دیر ڈوبنا ہی تھا لیکن اُسے اندازہ تھا کہ فی الوقت الزبتھ سے اس موضوع پر بات کرنا بے سود ہوگا۔ وہ یہی سمجھ گیا کہ وہ اُسے مارکوس سے چھیننا چاہتا ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اب بھی مارکوس کی ڈوریوں سے بندھی ہوئی تھی اور وہ اُن ڈوریوں کی عادی ہو گئی تھی۔ شاید وہ عمر بھر آزاد نہ ہو سکے۔ بعض اسیروں پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب اُن کے نزدیک آزادی کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ رہائی اسیری اور اسیری رہائی بن جاتی ہے۔ وہ ذہین تھی اور اُس کے دلائل بہ آسانی رد کر سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ خاموشی سے

اُسے تحفظ فراہم کرتا رہے گا۔ ڈشوری یہ تھی کہ اُسے ساتھ ہی ساتھ سلوکم کے لیے کام بھی کرنا تھا۔ اس اعتبار سے الزبتھ اس کام میں ایک نئی جہت کی حیثیت رکھتی تھی۔ اب اُسے مارکوس کو تلاش کر کے اُس کا سامنا کرنا تھا۔ الزبتھ کو ہمیشہ کے لیے اُس کے چنگل سے آزاد کرنا تھا۔ اچھی خاصی دیوار پر دی والی کہانی تھی۔

وہ اٹھا اور اُس نے کھڑکی کے پاس جا کر پردہ سرکاتے ہوئے جھانکا۔ باہر بزر شیور لیٹ موجود تھی لیکن ڈرائیور بدل گیا تھا۔ الزبتھ بھی اُس کے پیچھے چلی آئی تھی۔ اُس نے الزبتھ کو صورت حال سمجھائی اور پھر خوفزدہ ہو گئی لیکن اُس کے انداز کی بے پروائی محسوس کر کے اُس کا اعتماد بحال ہو گیا۔ ”تم اچھے آدمی ہو حارث سعید۔“ الزبتھ نے آہستہ سے کہا۔

”میرا اب جاؤں گا۔“

”کہاں؟ کیوں؟“

”مارکوس نے فون نہیں کیا اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں آئے گا۔ تم مجھے اُس کا فون نمبر دو گی نہیں۔ میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ میں نیچے جا کر اُس کا روالے کو چیک کروں گا لیکن میں واپس آؤں گا، جب تک مارکوس نہیں ملتا، میں تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا۔ سمجھیں؟ فی الوقت خدا حافظ۔“

وہ عمارت سے نکل کر بزر شیور لیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ شیور لیٹ سے پچاس فٹ دور ہو گا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کار اشارت کی اور اُس کی طرف دیکھے بغیر اُسے بھگا لے گیا۔ حارث اپنی کار کی طرف بڑھا۔ نہ جانے کیوں اُسے احساس ہو رہا تھا کہ بزر شیور لیٹ والوں کا تعلق پولیس سے ہے۔ اس احساس کی وجہ وہ نہیں جانتا تھا البتہ یہ سوال تھا جو اُسے سلوکم سے کرنا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ سلوکم یارین فیلڈ سے رابطہ کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کرے یا..... ابھی وہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اپارٹمنٹ ہاؤس کے دروازے پر ایک ٹیکسی رکی۔ ڈرائیور اُتر اور اُس نے ڈور مین سے کچھ کہا۔ ڈور مین نے ریسپور اٹھایا اور کسی سے بات کی۔ اُسی لمحے الزبتھ کا اپارٹمنٹ تاریک ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ الزبتھ کہیں جا رہی ہے اور جا رہی ہے تو اُسے یقیناً فون پر ہدایات ملی ہوں گی۔ اب اگر حارث۔ سلوکم یارین فیلڈ کو

مطلع کرتا تو وہ بگ کی ریکارڈنگ کے ذریعے کال سن لیتے اور یہ مناسب نہیں تھا۔ وہ ابھی خود سے اُلجھ رہا تھا کہ الزبتھ نمودار ہوئی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے انداز میں عجلت تھی۔ حارثؔ مند ہو گیا۔ تاہم اُس نے کار اشارت کر دی۔ اگلے ہی لمحے وہ ٹیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ بزر شیور لیٹ بلکہ کوئی بھی کار اُس کے تعاقب نہیں تھی۔ اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور تن بہ تقدیر ہو گیا۔

الزبتھ ایونیو پر پہنچ کر ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار کم کی۔ شاید اُسے کسی مخصوص پتے کی تلاش تھی۔ بالآخر ٹیکسی ایک آفس بلاک کے سامنے رُک گئی۔ داخلی دروازے پر بین انجینئرنگ کارپوریشن کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ الزبتھ نے اتر کر ٹیکسی والے کو کرایہ دیا اور شرک کر اس کر کے اطلاعی کھنٹی کا بٹن دبایا۔ وہ پانچ منٹ انتظار کرتی رہی لیکن کھنٹی کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا۔

اُسی لمحے حارث کو کسی گاڑی کی آواز سنائی دی پھر اُس نے ایک کار کو اپنی کار کے برابر سے گزرتے دیکھا۔ وہ کار آفس بلاک کے سامنے رُکی اور اُس میں سے ایک شخص نے الزبتھ کو سر ہلا کر اشارہ کیا اور جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ کوئی پانچ منٹ بعد ایک اور ٹیکسی آفس کے سامنے آ کر رُکی۔ ڈرائیور نے ہارن دیا۔ الزبتھ آفس سے نکلی اور ٹیکسی میں آ بیٹھی۔ ٹیکسی فوراً ہی روانہ ہو گئی۔

حارث اُلجھن میں تھا اور جلد از جلد کسی فیصلے تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ الزبتھ کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے اُس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ اُسے نئے سراغ کا پیچھا کرنا چاہیے۔ الزبتھ اپنے اپارٹمنٹ سے زیادہ دور نہیں تھی اور قوی امکان تھا کہ یہ خیر و خوبی واپس پہنچ جائے گی۔ اس کے لیے بہتر یہی تھا کہ اس نئے آدمی پر نظر رکھے۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ باہر آئے گا تو اُس کا تعاقب کریگا۔ ممکن ہے۔ وہ ایٹکن کو نمائندہ ہو۔ ایٹکن کو یقیناً اندازہ ہو گا کہ اُس کی نگرانی کی جا رہی ہے اور اُس کا فون ٹیپ کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں وہ اپنا کام کسی غیر متعلق اور نامعلوم آدمی کے سپرد کر سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُس نے اس سلسلے میں الزبتھ کو استعمال کرنے کے متعلق سوچا ہو۔

وہ کار میں بیٹھا اندازے قائم کرتا اور انہیں مسترد کرتا رہا۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ اس شخص کے برآمد ہونے کا انتظار کب تک کرے گا۔ اُسے انتظار کرتے ہوئے خاصی دیر

ہو گئی۔ اُس نے آفس میں گھسنے کے متعلق سوچا لیکن بلاوجہ خطرہ مول لینے کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ اُس شخص کو باہر تو آنا ہی تھا۔ وہ اُس آفس میں پوری رات تو نہیں گزار سکتا تھا۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ بین انجینئرنگ کی عمارت کے دوسری طرف بھی تو کوئی سڑک ہوگی۔ الٹے کو گئے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔

وہ کار سے نکلنا اور اپنا رپوالور ہاتھ میں لے کر عمارت کی طرف چل دیا۔ اُس نے کھڑکیوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن پردوں نے دیکھنے کے لیے کوئی رخ نہ چھوڑا تھا۔ وہ عمارت کے ساتھ ساتھ کارزنک چلا گیا۔ کارزنوالی بظنی سڑک پر سبز شیور لیٹ موجود تھی۔ اُس کا انجن اشارت تھا پھر وہ عمارت کے عقبی حصے کی طرف گیا اور عمارت کے دروازے ٹٹولے، وہ مقفل تھے۔ وہ واپس مرکزی دروازے کی طرف آیا اور اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ کوئی رد عمل نہیں۔ تین منٹ بعد اُس نے دوبارہ گھنٹی بجائی۔ اس بار رد عمل سامنے آیا لیکن غیر متوقع۔ عمارت کی سائڈ سے کار اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ یقینی طور پر سبز شیور لیٹ تھی اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اب وہ اُس کے تعاقب میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

وہ پھر عمارت کے عقبی حصے کی طرف گیا۔ اس بار عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور کوریڈور میں داخل ہو گیا۔ دائیں جانب والے آخری آفسز میں روشنی تھی۔ اُس نے پہلے آفس کا دروازہ کھولا۔ اُس میں دو میزیں تھیں۔ ایک میز پر ٹائپ رائٹر موجود تھا۔ اسکے علاوہ چند کرسیاں تھیں۔ سفید فرش پر خون کے کئی دھبے تھے۔ دوسرا کمرہ نسبتاً بڑا تھا۔ اُس میں بھی دو میزیں تھیں۔ بیرونی کمرے کی طرح اُس کا فرش بھی سفید تھا اور خون سے بری طرح لتھڑا ہوا تھا۔ وہ وہاں کھڑا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خون کی مقدار بتاتی تھی کہ کوئی شخص شدید جگہ جگہ مکتہ طور پر مہلک حد تک زخمی ہوا ہے۔ ڈرائنگ بورڈز کے برابر ہی ایک پرنٹ آؤٹ والا کیلکولیٹر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ بھی چند ایک مشینیں تھیں۔ اُسے احساس ہو گیا کہ یہاں سے فوری طور پر نکل لینا بہتر رہے گا۔

وہ عقبی دروازے کی طرف جا رہا تھا پھر سوچ کر وہ رُکا اور اُس نے لائٹ آف کر دی۔ وہ پلٹا ہی تھا کہ اُسے اندھیرے میں سرخ روشنی چمکتی دکھائی دی۔ اُس نے لائٹ پھر آن کی۔ روشنی ایک مشین کی چمکی درز سے نظر آ رہی تھی۔ وہ مشین کی طرف بڑھا۔ اُس نے ایسی

مشین پہلے بھی کہیں دیکھی تھی، خطوط پھاڑ۔ والی مشین۔ وہ مشین آن ہونے کا مطلب تھا کہ اُسے ابھی کچھ ہی دیر پہلے استعمال کیا گیا ہوگا۔ اُس نے آگے بڑھ کر مشین کا نچلا خانہ باہر کھینچا۔ اس میں کچھ کاغذ کے ٹکڑے موجود تھے۔ اُس نے احتیاط سے انہیں سمیٹا اور اپنے پارک کی جیب میں رکھ لیا اور پھر اُس نے لائٹ آف کی اور باہر نکل آیا۔

تین منٹ بعد وہ ہوٹل ہالٹن میں اپنے کمرے میں تھا۔ اُس کے لیے تین پیغامات موجود تھے۔ سب ارجنٹ۔ دو سلوکم کی طرف سے اور ایک رین فیلڈ کی طرف سے، دونوں نے اُسے فوری رابطے کی ہدایت کی تھی۔ اُس نے کمرے میں پہنچتے ہی الٹے کو نمبر ملایا۔ ”لیس پلیز؟“ دوسری طرف سے الٹے کو کی آواز سنائی دی۔

”بس، میں تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتا تھا۔“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔
”اوہ..... شکریہ۔“

اُس کے لہجے کی طمانیت سے حارث کو پتا چل گیا کہ وہ بین انجینئرنگ کے دفتر میں ہونے والے تشدد سے بے خبر ہے۔ ”میں کل آؤں گا۔ اپنا خیال رکھنا اور اپارٹمنٹ کا دروازہ مقفل رکھنا۔“ حارث نے کہا اور ریسورر رکھ دیا۔ پھر اُس نے قالین پر بیٹھ کر اپنی جیب سے کاغذ کے ٹکڑے نکالے اور انہیں ترتیب سے جوڑنے بیٹھ گیا۔ وہ ایک ہی کاغذ کے پچاس ٹکڑے تھے۔ اُن کے درمیان خلا بھی تھا لیکن جب نوعیت سمجھ میں آگئی تو خلا کو اندازے سے پر کرنا دشوار نہ رہا۔ وہ گیارہ کمپنیوں کی فہرست تھی۔ ہیوز ہولڈنگ، سہاش آٹومشین مینوفیکچررز، جگدیش کارپوریشن وغیرہ وغیرہ۔ وہ تمام کمپنیاں بین الاقوامی اہمیت اور شہرت کی حامل تھیں۔ سوال یہ تھا کہ کیا تشدد کا تعلق اس فہرست سے تھا اور یہ کہ فہرست کس نے پھاڑی تھی۔

فون کی گھنٹی بجی۔ سلوکم ہوٹل کی لابی سے بول رہا تھا۔ ”میں نیچے آ رہا ہوں۔“ حارث نے کہا اور ریسورر رکھ دیا پھر اُس نے ایک کاغذ پر گیارہ کمپنیوں کے نام لکھ لیے۔

وہ نیچے آیا۔ سلوکم بار میں اسٹول پر بیٹھا تھا۔ اُس کے سامنے اسکاچ کا گلاس رکھا تھا۔ اُس نے نیچی آواز لیکن غصیلے لہجے میں پوچھا۔ ”کہاں تھے تم..... اور تم نے رپورٹ کیوں نہیں کی۔ آج۔ لیکن کے گھر کچھ لوگ آئے تھے۔ اُن میں سے کوئی بھی مارکوس ہو سکتا ہے۔“ ”میں لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ بین انجینئرنگ کارپوریشن گئی تھی۔ اُس کے جانے

کے بعد میں اندر گیا۔ وہاں کوئی واردات ہوئی ہے، خون بہت سارا تھا لیکن لاش نہیں ملی۔“ وہ اس دوران سلوکم کے چہرے کے تاثرات کو بہ غور دیکھتا رہا۔ سلوکم کو شدید جھٹکا لگا۔ ”تم مجھے کچھ نہیں بتاتے۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم بھی اندھیرے میں ہو۔ ذرا یہ دیکھو۔“ اُس نے سلوکم کی طرف کاغذ بڑھا دیا۔

”سلوکم نے کاغذ دیکھا اور بولا ”یہ کہاں سے ملا تمہیں؟“

حارث نے اُسے پوری تفصیل بتادی۔ سلوکم فکر مند نظر آ رہا تھا۔ ”مجھے بتاؤ، یہ فہرست کیا معنی رکھتی ہے؟“ حارث نے کہا۔

سلوکم نے انجان بننے کی کوشش کی۔ حارث کو غصہ آ گیا۔ ”تم بہت کچھ جانتے ہو اور کچھ نہیں اُگلتے۔ اب میں اپنے طور پر کام کروں گا۔ میرے رپورٹ دینے یا نہ دینے..... کا انحصار اس پر ہے کہ مجھے کیا معلوم ہوتا ہے۔“ اُس نے کہا۔

سلوکم نے خاموشی سے فہرست دیکر کے جیب میں رکھ لی۔ حارث وہاں سے نکل آیا۔



الزبتہ نے صبح آٹھ بجے حارث کو فون کیا۔ ”میں فوری طور پر تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ آجاؤ پلیز۔“ آواز سے وہ نروس معلوم ہو رہی تھی۔

حارث کے لیے اُس کی کال غیر متوقع تھی۔ اُس نے پوچھا۔ ”تمہیں معلوم ہے کہ بین انجینئرنگ سے تمہاری واپسی کے بعد کیا ہوا تھا؟“

الزبتہ نے طویل سانس لیا۔ ”تم جانتے ہو کہ فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ آجاؤ، تمہاری منتظر ہوں۔“

حارث نے ناشتا کیا اور ہوٹل سے نکل آیا۔ اس بار ڈور مین نے اُسے نہیں روکا۔ البتہ فون پر الزبتہ کو اُس کی آمد کے متعلق بتلویا۔ الزبتہ دروازے پر اُس کی منتظر تھی۔ اُس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اُس نے دروازہ بند کرتے ہی حارث سے پوچھا۔ ”تم نے کل میرا تعاقب کیوں کیا تھا؟ تمہیں اس سے کیا میں کہاں جاتی ہوں، کس سے ملتی ہوں؟“

حارث نے اُس کی برہمی کو نظر انداز کر دیا۔ ”بین انجینئرنگ کیوں گئی تھیں؟“

”میں تمہیں کیوں جواب دوں؟“

”اس لیے کہ میں اب تمہیں کسی دشواری میں پڑتے نہیں دیکھنا چاہتا اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مجھے تمام معلومات حاصل ہوں۔“

الزبتہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اُس نے کندھے جھٹک دیے۔ ”میں نے مارکوس کو فون کیا تھا۔ اُس نے مجھے وہاں ملنے کے لیے کہا تھا لیکن وہاں مجھے سولومن نامی ایک آدمی ملا۔ اُس نے مجھے واپس جانے کی ہدایت کی اور بتایا کہ مارکوس نہیں آئے گا۔ خطرہ ہے۔ اور اگر میں واپس نہ ہوئی تو.....“

حارث کو احساس ہو گیا کہ الزبتہ کو اب بھی اس آفس کے فرش پر خون کے دھبوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس کے باوجود اُس نے الزبتہ کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ اس پر پوری طرح اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔

”مجھے کہا گیا ہے کہ میں مارکوس کی طرف سے تمہیں پیش کش کروں۔ مارکوس تمہیں ان لوگوں سے زیادہ معاوضہ دے گا، پچاس ہزار ڈالر۔“ الزبتہ نے یوں کہا، جیسے یہ پیش کش حارث کے لیے ایک اعزاز ہو۔

”وہ ہے کہاں؟ پلیز، مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟“

”وہ ہیلی فیکس کے ایک ہوٹل میں ہے۔ میں تمہیں ہوٹل کا نام نہیں بتاؤں گی۔ مجھے اس سلسلے میں مجبور نہ کرنا۔“

”وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟“

”لاٹینی امریکا کے اس ملک کے دو نمائندوں کا انتظار..... وہ معاہدے کی کچھ نئی شقیں لے کر آنے والے ہیں۔“

”اور اُس نے میرے لوگوں سے رابطہ کیوں نہیں کیا جو خریداروں کی نمائندگی کر رہے ہیں؟“

”اس لیے کہ مذکورہ ملک کی حکومت کے افراد بار بار معاہدے میں تبدیلیوں کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں وہ کسی ایک بات پر ٹھہرتے ہی نہیں۔ مارکوس چاہتا ہے کہ ایٹکن سے اُس کی ملاقات صرف چند منٹ کی ہو۔ وہ جانتا ہے کہ ایٹکن سے ایک بار ملتے ہی اُس کی پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ اس کی زندگی کو لاحق خطرات بڑھ جائیں گے۔“

حادث کو اندازہ ہو گیا کہ الزبتھ اس کے اندازے کے برعکس بہت کچھ جانتی ہے بلکہ ممکن تھا کہ وہ مارکوس کے ساتھ برابر کی پارٹنر ہو۔ اور مارکوس مجھ سے پچاس ہزار ڈالر کے عوض کیا کام لینا چاہتا ہے؟“ اس نے پوچھا۔
”تمہیں اُس کو تحفظ فراہم کرنا ہوگا۔“

حادث چند لمحوں سوچتا رہا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”اُسے منع کر دینا۔ فی الوقت میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہا ہوں۔ مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔“
الزبتھ جھلا گئی۔ ”مارکوس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ معاہدہ 90 فیصد مکمل ہے۔ بس اُسے چند شقوں کے سلسلے میں ان نمائندوں سے ملنا ہے لیکن کسی نامعلوم آدمی نے ہیلی فیکس میں مارکوس پر فائرنگ کی، وہ اُسے نہیں جانتا لیکن اب اسے تحفظ درکار ہے۔“ اُس کی آواز میں مایوسی درآئی۔ وہ بہت کھوئی کھوئی نظر آنے لگی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ پھر بولی۔ ”کل تم نے کہا تھا کہ مارکوس کو اس طرح مجھے یہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ میں اس پر غور کرتی رہی ہوں۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ وہ مجھے بارہا ایسی مشکلات سے دوچار کر چکا ہے۔ میں اب اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔ میری بات سمجھ رہے ہوتا؟“
”نہیں تم میں استقلال نہیں ہے۔ ابھی تم مجھے مارکوس کے لیے کام کرنے کی پیشکش کر رہی تھیں اور اب تم اسے چھوڑنا چاہتی.....“

”تم نے ٹھیک کہا۔ مجھ میں استقلال کی کمی ہے لیکن میں بہت اُلجھی ہوئی بھی تو ہوں۔ دیکھو میں تمہاری طرف راغب ہوئی۔ اسکا مطلب ہے۔ مارکوس سے میرے تعلق میں گڑ بڑ ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ میں تم پر اعتماد کرتی ہوں، ورنہ یہ کیسے ممکن تھا۔ میں اس سے پہلے کبھی مارکوس سے بے وفائی کی مرتکب نہیں ہوئی۔“
”تم میرے بارے میں کس طرح محسوس کرتی ہو؟“

”میں جب بھی مارکوس سے علیحدہ ہوئی، تمہارے پاس آؤں گی۔ لیکن فی الوقت مجھے اُس کا ساتھ دینا ہے۔ اُس سے جو وعدہ کیا ہے، اُس کی پاسداری کرنی ہے۔ اُس کے بعد میں اُسے چھوڑ دوں گی۔ تم مجھے چاہتے ہو؟“

حادث کو اس جواب کے لیے کچھ سوچنا نہیں پڑا۔ اُس نے فوراً ہی اثبات میں

جواب دیا۔

”سواب، میں اس وقت سے ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی اور الجھن نہیں۔ تم جب چاہو، میرے پاس آ سکتے ہو۔“



الزبتھ کے اپارٹمنٹ سے نکلے ہی حادث اپنی کار میں سینٹ اوریل کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ دس بجے کے بعد ٹورسٹ ہاؤس پہنچا۔ رین فیلڈ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر ذرا حیران نہیں ہوا۔ حادث نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔ ”سلوکم نے بتایا تھا کہ کل اینکلن کے کچھ ملاقاتی آئے تھے۔ اُن کی تصویریں کہاں ہیں؟“

رین فیلڈ نے کندھے جھٹکے اور پورٹریٹ ڈارک روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ حادث اُسی طرف چلا گیا۔ وہاں پانچ تصویریں تھیں۔ اُس نے ہر تصویر کو غور سے دیکھا لیکن ان میں مارکوس نہیں تھا۔ ”ان میں مارکوس نہیں ہے۔“ اُس نے رین فیلڈ سے کہا۔ ”مارکوس اوسط قد و قامت کا آدمی ہے۔ سیاہ آنکھیں، سیاہ بال، عمر چالیس کے لگ بھگ۔“

”اُس حلیے پر درجنوں مجھیرے پورے اترتے ہیں۔ ایسا ایک مجھیرا اینکلن کے گھر مچھلیاں پہنچاتا ہے۔ کیا پتا، اُس نے سرخ بالوں کی دگ لگائی ہوئی ہو۔“

حادث نے رین فیلڈ کو بغور دیکھا۔ وہ اعصابی طور پر بے حد شکستہ لگ رہا تھا۔ شاید بین انجینئرنگ میں ممکنہ طور پر قتل کی اطلاع نے اُسے دہلا دیا تھا۔ حادث اسے نگاہوں سے تولتا رہا۔ بالآخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ رین فیلڈ پر اعتماد کر سکتا ہے۔ ”سلوکم نے تمہیں بین انجینئرنگ والے واقعات کے متعلق بتایا؟“ تمہارا کیا خیال ہے؟“ حادث نے بات بڑھائی۔

”میرا کیا خیال ہو سکتا ہے۔“ رین فیلڈ نے جھنجھلا کر کہا۔ ”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس کی ذمہ داری کسی بھی طرح ہم پر عائد ہوتی ہے۔“

”دیکھو، اس سے پہلے ایک آدمی پام اسپرنگز میں بھی قتل ہوا تھا۔ تمہارے خیال میں ہم مقامی پولیس سے بات کر سکتے ہیں؟“

”تمہیں اس سوال کا جواب معلوم ہے؟“ رین فیلڈ نے اُسے کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تم خود پولیس میں رہے ہو، اچھے پولیس مین۔ مقامی پولیس سے کہیں اچھے۔

تھی۔ اس کے بعد ایک جنرل اسٹور کی ڈیلیوری وین آئی اس بار بھی عورت نے دروازہ کھولا اور سامان لیا۔ آدھے گھنٹے بعد تیسری گاڑی آئی۔ وہ زرد رنگ کا ایک بڑا ٹینکر ٹرک تھا، جس پر اردنگ ڈومیسٹک فیول لکھا ہوا تھا۔ ٹرک صدر دروازے کے سامنے رکا۔ ٹرک ڈرائیور نے ہارن دیا۔ اس بار ایک گمنام آدمی نے دروازہ کھولا جس کی عمر پچاس کے لگ بھگ معلوم ہو رہی تھی۔ گمنام آدمی نے ٹھوکر سے برف ہٹائی۔ آئل ٹینکر کا ٹریپ ڈور نمودار ہوا۔ ٹرک ڈرائیور اس دوران ہوز پائپ کھول رہا تھا۔ پانچ منٹ میں آئل ٹینک بھر دیا گیا۔ ٹرک ڈرائیور، گمنام آدمی کے ساتھ مکان میں چلا گیا۔ ٹرک کا انجن بدستور اسٹارٹ تھا۔

حادثہ نے گھڑی دیکھی، ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ ٹھنڈا اُس کی ہڈیوں تک میں سرایت کیے جا رہی تھی۔ وہ ٹھنڈے ٹھنڈے لگا کہ اسی طرح جسم میں کچھ حرارت پیدا ہو۔ وقت گزرتا رہا۔ پندرہ منٹ..... بیس منٹ..... ٹینکر ٹرک کے انجن کی آواز کے سوا ہر طرف سناٹا تھا۔ دوسری طرف ٹرک سے مکان کے ٹینک میں آئل منتقل کرنے والی مشین چلے جا رہی تھی۔ حادثہ کا اندازہ تھا کہ اب تک ٹرک کا تمام آئل مکان کے ٹینک میں منتقل ہو چکا ہوگا۔ اب پمپ مشین کو بند کر دینا چاہیے تھا لیکن ٹینکر ٹرک کا ڈرائیور غالباً اندر کے گرم اور پرسکون ماحول میں کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سب کچھ بھول گیا تھا۔

حادثہ نے دور بین سے پھر ایک بار مکان کا جائزہ لیا۔ وہ دور بین کو آنکھوں سے اُتارنے ہی والا تھا کہ لینس کے انتہائی کنارے کی سمت اُسے نقل و حرکت کا احساس ہوا۔ اُس نے دور بین گھمائی

وہ ایک آدمی تھا، سیاہ لباس میں۔ وہ تیزی سے صنوبر کے درختوں کی طرف سے نکل رہا تھا جو مکان کی جنوبی سمت میں چالیس گز کے فاصلے پر تھے۔ وہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا بیس فٹ دور جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ اور جھاڑیوں میں دُک گیا۔

اُسی لمحے ایک اور آدمی صنوبر کے درختوں سے نکلا اور جھاڑیوں میں جا چھپا۔ حادثہ اپنی جگہ ٹھہر کر رہ گیا۔ اُس دوسرے آدمی کے ہاتھ میں رائفل تھی پھر اُس نے ایک تیسرے، آدمی کو جھاڑیوں میں چھپتے دیکھا۔ وہ بہ ظاہر غیر مسلح تھا۔

تم اُن سے بہتر طور پر صورتِ حال کو سمجھ سکتے ہو۔“
”تو تمہارے خیال میں اس قتل کا ہماری یہاں موجودگی سے کوئی تعلق نہیں؟“

حادثہ نے پوچھا۔

”اگر کوئی تعلق ثابت ہوا تو میں پہلی فلائٹ سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔“ اُس کے لہجے میں سچائی تھی۔ اور سنو حادثہ! تم ہمیں اس طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے پاس آدمیوں کی کمی ہے۔ میں تم اور سلوکم، صرف ہم تین ہی تو ہیں۔“
”اور میڈوز، وہ کہاں ہے؟ اُس کا کیا کام ہے؟“

”میڈوز کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ سلوکم کا شو فر ہے اور کافی اچھی بناتا ہے۔ رین فیلڈ نے زہر خند کیا۔“ سنو حادثہ، تم یہاں کا کام سنبھالو۔ میں لڑکی کی نگرانی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بات سن لو، ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ کیا ہو رہا ہے لیکن بات آہستہ آہستہ کھل رہی ہے۔ میں تم سے معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم یہاں کی رپورٹ مجھے دینا اور میں لڑکی کے متعلق مکمل رپورٹ تمہیں دوں گا۔“

حادثہ نے چند لمحے سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میں سلوکم کے فون کا انتظار کروں گا۔ اس کے بعد سینٹ جان جاؤں گا۔“ رین

فیلڈ نے کہا۔

حادثہ کمرے سے نکل آیا۔ وہ کار میں بیٹھا اور اینگلن کے مکان کے سامنے سے گزرتا ہوا اُس جگہ پہنچا جہاں گزشتہ روز سلوکم نے کار پارک کی تھی۔ کار اُسی جگہ روک کر وہ پیدل اس راستے پر چل دیا، جس پر وہ سلوکم کے ساتھ آیا تھا۔ ایک درخت کے پاس رُک کر اُس نے دور بین آنکھوں سے لگائی اور مکان کا جائزہ لیا۔ ہر طرف سکوت تھا پھر اُس کے پردے گرے ہوئے تھے۔ اُس نے دور بین کو پھر اینگلن کے مکان کی طرف گھمایا۔ وہ مکان کی طرف دیکھتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد زندگی کے پہلے آثار نظر آئے۔ چھت کی دو چمینیوں سے دھواں نکلنے لگا پھر دودھ والا آیا۔ اُس نے گاڑی دروازے کے سامنے پارک کی اور دودھ لے کر مکان کے اندرونی دروازے تک پہنچا۔ دروازہ ایک عورت نے کھولا۔ وہ سفید کوٹ پہنے ہوئے

حارث آگے بڑھا لیکن ٹھنک گیا۔

مکان کا دروازہ کھلا، گنجا آدمی باہر نکلا، اُس نے محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور ٹرک سے ہٹ کر کھڑی ہوئی اسٹیشن وگن کی طرف بڑھ گیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے اُس نے ونڈ شیلڈ صاف کیا پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجین کی گھمائی۔ انجن کچھ دیر کھانا اور پھر باقاعدہ اشارت ہو گیا۔ اُس نے ایکسپلریٹر دیا، انجن کی آواز اور بلند ہو گئی۔ اُس نے پینجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

اس بار مکان کا دروازہ کھلا۔ ٹرک ڈرائیور نمودار ہوا۔ حارث نے دور بین سے اُسے دیکھا۔ اس بار اُس کی آنکھوں پر چشمہ نہیں تھا۔ حارث کو اُسے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ وہ مارکوس تھا۔

حارث جبک کر بھاگنے لگا

اُس کا رخ سڑک کی طرف تھا۔ سڑک تین سو گز دور تھی اور برف پر بھاگنا آسان نہیں تھا۔ دوبار اُس کے پاؤں نرم برف میں دھنس گئے۔ آدھا راستہ طے کر کے وہ نکلا اور اُس نے دور بین کی مدد سے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ نیچے واقعات بہت تیزی سے پیش آرہے تھے۔ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تین آدمیوں میں سے ایک کے پاس رائفل تھی جبکہ دو کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہے تھے۔ وہ تینوں اسٹیشن وگن کی طرف لپک رہے تھے۔ گنجنے ڈرائیور نے گاڑی کو دوہنی سمت گھمایا تھا۔ اس کے نتیجے میں پہیوں کی لپیٹ میں آنے والی برف دس فٹ تک اُچلی تھی۔ اب اسٹیشن وگن کا رخ مکان کے گیٹ کی طرف تھا۔ اُسی وقت رائفل بردار گھٹنوں کے بل جھکا، اُس نے نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ اسٹیشن وگن کا عقبی شیشہ چور ہو گیا۔ اُسی وقت سفید ہاؤس کوٹ والی خادمہ نے مکان کا دروازہ کھولا تھا۔

رائفل بردار نے مزید فائر کیے۔ اسٹیشن وگن نے جھکولے لیے، دوبارہ پوری طرح گھومی اور پھر ایک ابھری ہوئی چٹان سے ٹکرا کر رُک گئی۔ البتہ اُس کا انجن اب بھی چل رہا تھا۔ رائفل بردار جھکی ہوئی حالت میں اسٹیشن وگن کی طرف بھاگ رہا تھا جو اونچی نیچی زمین کی وجہ سے اب اُس کی زد میں نہیں تھی۔ اُسی وقت حارث نے اسٹیشن وگن کا دروازہ کھولتے دیکھا۔

مارکوس نے سمجھے آدمی کو دھکیلا اور خود رائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ اسٹیشن وگن تیزی سے آگے بڑھی اور رائفل کی ریخ سے نکل گئی۔ گنجا آدمی بری طرح ہاتھ پاؤں پھینک رہا تھا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ زخم اُس کے بائیں پہلو کی طرف تھا۔

رائفل بردار اور اُس کے ساتھیوں کو جیسے ہی اندازہ ہوا کہ مارکوس اُن کی ریخ سے نکل گیا ہے تو وہ رُک گئے۔ حارث نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ اُسے جلد از جلد اپنی کار تک پہنچنا تھا۔ درمیان میں وہ پھر رُکا اور اُس نے دور بین کی مدد سے مکان کا جائزہ لیا۔ مکان کی چھت پر کچھ ہو رہا تھا۔ ایک خوش لباس شخص مکان کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ چھت پھسلواں تھی، اس کے باوجود وہ بے پناہ بھرتی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور تیزی سے ٹی وی انٹینا کی طرف بڑھ رہا تھا پھر انٹینا تک پہنچ کر اُس نے اس کی راڈ تھام لی۔ وہ یقینی طور پر مکان کا مالک اینکلن تھا۔ وہ انٹینا کو اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حارث اُس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ بالآخر انٹینا گر گیا۔ حارث نے پلٹ کر سڑک کی سمت دیکھا، اسٹیشن وگن کا رخ سینٹ جان کو جانے والی سڑک کی طرف تھا۔

اچانک ایک آواز سنائی دی اور حارث کی سمجھ میں اینکلن کے چھت پر چڑھنے اور انٹینا گرانے کی وجہ آ گئی

وہ فورسٹر ہیلی کاپٹر تھا اور یقینی طور پر صنوبر کے جھنڈ میں پہلے ہی موجود تھا۔ پھسلواں چھت کی وجہ سے اُسے دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ ہیلی کاپٹر بلند ہونے کی وجہ سے بھی برف اڑی۔ رائفل بردار اور اُس کے ساتھی ایک لمحے کے لیے سکتے میں آ گئے پھر رائفل بردار تیزی سے گھٹنوں کے بل جھکا لیکن اُسے اندازہ ہو گیا کہ ہیلی کاپٹر رائفل کی ریخ سے باہر ہے۔ دوسری طرف چھت پر انٹینا اُترنے کی وجہ سے اتنی جگہ ہو گئی تھی کہ وہاں ہیلی کاپٹر کا ایک پیہر تک سکتا تھا۔ اینکلن چھت پر گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

حارث نے پھر اپنی کار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ چند لمحے کے بعد اُس نے پلٹ کر دیکھا تو اینکلن ہیلی کاپٹر میں بیٹھ چکا تھا اور ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ فائرنگ کرنے والے نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

پانچ منٹ بعد حادثہ اپنی کار میں تھا۔ وہ زخمی سمجھے کے پاس سے گزرا، جسے مارکوس نے اسٹیشن ویگن سے دھکیلا تھا۔ سفید کوٹ والی ملازمہ اُس پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس نے ہاتھ ہلا کر حادثہ کو کاررو کرنے کا اشارہ کیا لیکن حادثہ کے پاس وقت نہیں تھا۔ اُسے مارکوس کا تعاقب کرنا تھا۔



وہ دیوانہ وار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس نے خطرناک ترین موڑوں پر بھی گاڑی کی رفتار کم کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اُسے احساس تھا کہ مارکوس کے اور اُس کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ یہی احساس اُس کی دیوانگی کا باعث تھا۔ سینٹ جان میں بیس میل پیچھے اُس نے کار کی رفتار کم کی اور تسلیم کر لیا کہ مارکوس اُس سے بچ نکلا ہے۔ بات صرف فاصلے اور رفتار کی نہیں تھی۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ مارکوس نے کسی دوراہے پر گاڑی مخالف سمت پر موڑ لی ہو۔ سینٹ جان میں داخل ہوتے ہی اُس نے ہوٹل ہالٹن کا رخ کیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ دوسری طرف رین فیلڈ تھا۔ ”میں تو وہاں موجود نہیں تھا۔ فائرنگ ہوئی ہے۔ اس وقت مکان میں پولیس والے بھرے ہوئے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”مارکوس وہاں آئل ٹینکر ٹرک میں پہنچا تھا۔“ حادثہ نے وضاحت کی۔ ”پھر کچھ حملہ آور نمودار ہوئے۔ ایگلن کا ایک آدمی اُن کی گولیوں کا نشانہ بنا۔ ایگلن ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔“ اُس نے رین فیلڈ کو پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔

رین فیلڈ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر اُس نے بتایا۔ ”الزبتھ جیٹ نے اپارٹمنٹ چھوڑ دیا ہے۔ اور اب ایک چھوٹے ہوٹل میں مقیم ہے۔ ڈونا ہوٹل میں نے اُس کے برابر والا کمرہ لے لیا ہے۔ سلوکم تمہارے معاوضے کے سلسلے میں نظر ثانی کر رہا ہے، تمہیں اضافی رقم ملے گی۔ تم الزبتھ کے برابر والے کمرے میں آ جاؤ، کیا خیال ہے؟“

حادثہ خاموش رہا۔

”دیکھو، ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔“ رین فیلڈ نے چیخ کر کہا۔ شاید صورت حال نے اُس کے اعصاب بری طرح چٹخا دیے تھے۔ ”میں ڈونا ہوٹل سے بول رہا ہوں۔ تم یہاں آ جاؤ۔ روم نمبر 47۔“ یہ کہہ کر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

حادثہ کو حالات کی اس ستم ظریفی پر ہنسی آ گئی۔ مونٹارین فیلڈ اُس سے الزبتھ کے قریب رہنے کی التجا کر رہا تھا، اگر وہ اس کے برعکس فرمائش کرتا تو حادثہ کسی بھی طور پر رضامند نہ ہوتا لیکن الزبتھ کے قریب رہنا تو اُس کی دلی آرزو تھی۔ اُس نے اپنا سامان بریف کیس میں رکھا، ڈیسک پر پل ادا کیا اور ہوٹل ہالٹن سے نکل آیا۔

ڈونا ہوٹل کے کمرہ نمبر 47 میں صرف ایک ہی کھڑکی تھی اور وہ بندرگاہ کی جانب کھلتی تھی۔ اس وقت وہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے کمرے میں نمک اور تیل کی بورچی ہوئی تھی۔ رین فیلڈ نے بائیں جانب والی دیوار کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت بھی وہ اس کمرے میں موجود ہے۔“ دروازے کے قریب ایک بے بی الارم باکس رکھا تھا۔ اس باکس میں نکل کر ایک تاریبڈ سائنڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ایپلی فائر میں داخل ہو رہا تھا۔

حادثہ نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر بندرگاہ کا جائزہ لیا۔ وہاں دس بارہ ٹرالر اور کارگو بولس لنگر انداز تھیں۔ اُن میں سے تین ٹرالر روسی تھے۔

”سلوکم آئے گا اور تم سے معاوضے کے سلسلے میں بات کرے گا۔“

”وہ ہے کہاں؟ تمہیں کچھ پتا بھی ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے اور اپنا وقت کیسے گزارتا ہے؟ اس وقت کہاں ہے وہ؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ رین فیلڈ نے کہا۔

”اگر نہیں معلوم تو کیوں نہیں معلوم؟“

”وہ آ کر تم سے بات کرے گا، اب میں جاؤں؟“ رین فیلڈ نے اُس کے سوال کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ”اگر کچھ ہو..... یا مارکوس آئے تو سلوکم کو فون پر مطلع کو دینا۔“

”تم کہاں جا رہے ہو؟“ حادثہ نے پوچھا۔

”سینٹ اوریل۔ ایگلن حملے کے ڈیڑھ گھنٹے بعد اپنے مکان میں واپس آ گیا ہے۔“

میرا خیال ہے حملہ آور کوئی بھی تھے۔ ایگلن نے اب اُن کے لیے تیاری کر لی ہے۔ میرے خیال میں ایگلن اہم ترین آدمی ہے لیکن لڑکی بھی کم اہم نہیں ہے۔ سنو پلینز! یہاں جو کچھ بھی ہو، اُس سے سلوکم کو باخبر رکھنا۔“ یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”فائرنگ کرنے والے کون تھے؟“ حادثہ نے اچانک پوچھا۔

”ایک گروہ اس سودے کے خلاف ہے، جس کے لیے ہم کام کر رہے ہیں لیکن وہ کون ہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ یہ پتا چل جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔ خیر، بعد میں بات کریں گے۔“ رین فیلڈ نے جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

حادث نے کھڑکی بند کی، پارکا اُتار اور بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ الزبتھ نے اپنا اپارٹمنٹ چھوڑا ہے تو اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔ امکان یہی تھا کہ مارکوس یہاں اُس سے ملے آئے گا۔ اس لحاظ سے اس وقت الزبتھ سے ملنا ٹھیک نہیں تھا۔ مارکوس کی آمد کے بعد اُسے الزبتھ کے دروازے پر دستک دینا تھی لیکن یہ فیصلہ کرنے کے باوجود اُس کے تصور میں الزبتھ کا سراپا لہرا رہا تھا۔ وہ اُس سے ملنے کو بے تاب تھا۔



وہ سوچتے سوچتے سو گیا پھر الارم باکس سے آنے والی آوازوں نے اُسے جگایا۔ اُس نے بیڈ سائڈ لائٹ آن کر دی۔ ساڑھے سات بجے تھے۔ اُس نے سنک پر جا کر ہاتھ منہ دھویا، جوتے پہنے۔ دوسرے کمرے کی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ الزبتھ بستر پر کروٹیں بدل رہی ہے۔ اُس کی سسکیاں بتاتی تھی کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے پھر اُس نے کھانسی کی آواز سنی۔ شاید اس آواز ہی نے اُسے جگایا تھا۔ سانسوں کی آواز سے بھی بھاری پن جھلک رہا تھا پھر اُس نے ایک کراہ سنی۔ اُس کا جسم تن گیا۔ اُس کی چھٹی حس اُسے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ کھانسی کی آواز..... اچانک اُسے احساس ہوا کہ وہ آواز نسوانی، بھنبی بھنبی تھی۔ وہ اُٹھا اور تیزی سے کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

میڈوز بستر پر پڑا تھا۔ اُس کا چہرہ اور نکیہ دونوں خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اُس کا گلا کاٹ دیا گیا تھا۔ اُس نے ہاتھوں سے اپنی کٹی ہوئی شرگ کو جوڑنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کمرے میں الزبتھ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس منظر نے حادث کو اس طرح دہلایا کہ چند سیکنڈ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ وہ ساکت کھڑا تھا، پھر وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ میڈوز کو مرنے میں کم از کم دس منٹ لگے ہوں گے۔ الزبتھ کو ہوٹل ہی میں کہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اُسے اپنے اس اندازے کی درستی میں شک تھا۔

تین منٹ بعد وہ کمرے سے نکل آیا۔ کوریڈور سنسان تھا۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور اپنا بریف کیس اور پارکا لے کر باہر نکل آیا۔ چند منٹ بعد وہ اپنی پینٹو کار میں بیٹھ رہا تھا۔ انٹرپورٹ چنچ کر اُس نے اپنا ریوالور لگج لا کر میں رکھا اور لاؤنج میں آ بیٹھا۔ پرواز کی روانگی میں ابھی آدھا گھنٹا تھا۔ وہ بیٹھا اپنے فیصلے پر غور کر رہا تھا۔ الزبتھ کو اغوا کیا گیا تھا یا وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی تھی، کس کے ساتھ؟ یہ اندازہ وہ نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں تلاش کرے۔ میڈوز قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ انٹریو پولیس کا سابق ملازم تھا۔ اگلے روز کے اخبارات اُس کے قتل کی سرخیوں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ لاش دریافت ہوتے ہی ہنگامہ شروع ہو جائے گا۔ ایئرپورٹس کی نگرانی کی جائے گی۔ ٹورسٹ ہاؤس والی مسز ڈالن اخبار میں میڈوز کی تصویر دیکھ کر اُسے پہچان لے گی اور پولیس کو بتائے گی کہ وہ اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ اُس کے پاس آیا تھا۔ اگر الزبتھ کو تلاش کرنے میں کامیابی کا ذرا سا بھی امکان ہوتا تو وہ ڈنار ہتا لیکن اس کا کوئی امکان نہیں تھا اور پھر اُس کی چھٹی حس اُسے سمجھا رہی تھی کہ یہاں سے نکل بھاگنے ہی میں بہتری ہے۔

پرواز سے دس منٹ پہلے اُس نے فون بوتھ سے ٹورسٹ ہاؤس کا نمبر ملایا۔ اُس نے مسز ڈالن کو اپنا نام بتایا اور رین فیلڈ کو بلانے کی درخواست کی۔ چند لمحوں بعد اُسے فون پر سلوکم کی آواز سنائی دی۔ ”کہو..... ڈونا ہوٹل میں خیرت ہے نا؟ لڑکی کا کیا حال ہے؟“

لڑکی غائب ہے اور اُس کے کمرے میں میڈوز کی لاش پڑی ہے، اُس کا گلا کٹا ہوا ہے۔“

”کیا؟“

”میرا خیال ہے، لڑکی کو میڈوز کے قاتل اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“ حادث نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”بات سنو! تمہیں اندازہ ہے کہ الزبتھ کو لے جانے والے کون ہیں؟“

سلوکم کی سانسوں کے سوا کچھ آواز نہیں تھی۔ وہ یقیناً شاک کی حالت میں تھا۔ چند لمحوں بعد اُس کی آواز سنائی دی۔ ”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، کون ایسا کر سکتا ہے۔“

”بہر حال، میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ تم نے مجھے مکمل معلومات فراہم نہ کر کے اندھیرے میں رکھا۔ اس صورت میں کام کرنا آسان نہیں ہے۔ میں کام نہیں کر سکتا۔ لعنت ہو تم

”اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”تمہیں سینٹ جان واپس لے جانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”میڈوز کی لاش دریافت ہونے کے بعد کیا ہوا؟“ حارث نے پوچھا۔ اُسے احساس

تھا کہ وہ دونوں ہی سوالوں کے جواب میں سوال کر رہے ہیں۔

بالآخر سلوکم نے جواب دیا۔ ”یہ ایک معما ہے۔ اخباروں میں اس کے متعلق کچھ بھی

نہیں ہے۔“

”اس سلسلے میں کوئی وضاحت کر سکتے ہو؟“

سلوکم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کسی وجہ سے پولیس نے یہ خبر وبالی ہے۔

مجھے معلوم نہیں مجھے بہت کچھ معلوم نہیں، اب تم مجھے میرے سوال کا جواب دو۔“

تمہیں مکمل معلومات فراہم کرنا ہوں گی۔“ حارث کے لہجے میں قطعیت تھی۔

سلوکم نے کندھے جھٹکے، جیسے ہتھیار ڈال رہا ہو۔ ”میں ایک جملے میں سب کچھ سمیٹ

رہا ہوں۔ سرمایہ داروں کا ایک گروپ نکاراگوا خرید رہا ہے، میں ان کی نمائندگی کر رہا ہوں۔“

”نکاراگوا..... اور برائے فروخت!“ حارث نے حیرت سے کہا۔

”ہاں بھلے ملک، سیاست دان، فوج، مالیات، اسمبلی..... غرض ہر چیز۔ سرمایہ دار اپنا

سرمایہ، اپنے اثاثے وہاں منتقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ٹیکس کے نام پر ہونے والی زیادتیوں سے

بچ جائیں لیکن مذاکرات میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ نکاراگوا کے کیونٹ گوریلوں کو کسی طرح

اس سودے کی بھنگ پڑ گئی ہے اور اب وہ اسے روکنے کے چکر میں ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کا

گروپ سینٹ جان میں موجود ہے۔ میڈوز کو انہوں نے ہی ہلاک کیا۔ ایٹکن کے مکان پر

حملہ بھی..... اور مجھے یقین ہے کہ الزبتھ ہیئرٹ بھی انھی کے قبضے میں ہے۔“

حارث کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یقین کر لے یا نہیں۔ ان تمام باتوں کی تصدیق

کیسے کی جائے؟

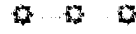
”جب سے یہ گوریلوٹ ہوئے ہیں، ہمارا کام بڑھ گیا ہے۔ ایک پیچیدہ معاملہ

کو فائل کرنے کے سلسلے میں مذاکرات اور اب ہمیں ان گوریلوں کی بھی فکر کرنی ہے۔“

”یعنی انہیں قتل کرنا ہے۔“ حارث نے سرد لہجے میں کہا۔

پر.....“ اُس نے ریسیور لٹکا دیا۔

دس منٹ بعد وہ نیویارک کے لیے روانہ ہو گیا۔



حارث نیویارک کے پلازہ ہوٹل میں مقیم تھا۔ وہ لابی میں بیٹھی ہوئی ایک حسین لڑکی

کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ وہ لڑکی کے حسن کا موازنہ الزبتھ سے کر رہا

ہے۔ اس کے خیالات کی روانہ الزبتھ کی طرف مڑ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا الزبتھ زندہ ہے؟ پھر

اُس نے سوچا کہ وہ کتنی آسانی سے سینٹ جان سے نکل آیا، الزبتھ کی پروا کیے بغیر..... اور

اُسے کوئی فکر بھی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُسے احساس ہوا کہ فکر نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ

وہ سینٹ جان واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس نے اپنے باپ کے نام 33 ہزار ڈالر کا منی

آرڈر بھیج دیا تھا اور اب دنیا کی ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا تھا۔

اُسے اس قرض کی ادائیگی کی بڑی فکر تھی لیکن میڈوز کی موت کے بعد اُسے احساس

ہو رہا تھا کہ جس کام میں اُس نے ہاتھ ڈالا ہے اُس کا انجام اُس کی موت یا گرفتاری ہوگا۔

گرفتاری اور بلا تھی۔ ایک گرفتاری کے نتیجے میں لانے والا قرض اتارنے کے لیے اُس نے یہ

کام قبول کیا تھا اور اب دوسری گرفتاری کا نتیجہ مزید قرض! یہ قسمت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔

دوسری طرف اُس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا۔ اُس نے چالیس ہزار ڈالر وصول کیے

تھے لیکن اب تک کوئی کام نہیں کیا تھا، جہاں تک موت کا تعلق تھا، وہ اُس کے لیے کوئی اجنبی

چیز نہیں تھی۔ پولیس کی ملازمت کے دوران اُس نے بارہا موت کو قریب سے دیکھا تھا۔

وہ ان خیالوں میں الجھا ہوا تھا کہ اُس نے سلوکم کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ بری

طرح چونکا۔ سلوکم بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔ ”تم نے

مجھے کیسے تلاش کیا؟“ حارث نے پوچھا۔

”تم نے مجھے گیارہ بجے اتر پورٹ سے فون کیا تھا۔“ سلوکم نے وضاحت کی۔

اس کے دس منٹ بعد نیویارک کی فلائٹ تھی۔ میں نے ایک ایجنٹ کو تمہاری تلاش پر لگایا۔ کوئی

پچاس ہوٹل چیک کرنے کے بعد پتا چلا کہ تم یہاں ہو۔“

”اُن کا مقصد ہمیں قتل کر کے معاہدہ ہونے سے روکنا ہے۔ یہ بھی بتاؤں کہ مارکوس ان گوریلوں سے واقف ہے، اس لیے اُس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اب تمہاری ضرورت ہے۔“

”لیکن ایٹکن کے مکان پر فائرنگ کے بعد اسے اب تک اُسے نہیں دیکھا گیا ہے؟“

”ہاں، سوال یہ ہے کہ وہ ہے کہاں؟“

حادث سوچ میں پڑ گیا۔ ہیلی فیکس میں، جہاں وہ الزبتھ کے بقول پہلے سے چھپا ہوا تھا لیکن اُس نے سلوکم سے کچھ نہیں کہا۔

”تو اب بتاؤ، تم سینٹ جان واپس چلنے کے کیا لو گے؟“ سلوکم نے پوچھا۔

”کچھ نہیں، میں الزبتھ کو تلاش کرنے وہاں جاؤں گا، اگر مارکوس مل گیا تو تمہارا.....“

حادث نے جواب دیا۔ سلوکم اثبات میں سر ہلارہا تھا۔



وہ لیٹر کمیٹی نمبر 9، ڈیپارٹمنٹ آف جسٹس، وائٹ ہاؤس کی طرف سے جگدیش کارپوریشن میں موصول ہوا تھا۔ جگدیش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خط کو کس خانے میں فٹ کرے۔ خط میں نکاراگوا کی سرمایہ کاری کے حوالے سے کمیٹی نمبر 9 کے چیئرمین نے اُسے وائٹ ہاؤس میں طلب کیا تھا۔ کمیٹی کے چیئرمین کا نام فیلڈمین تھا۔ خط کے آخر میں فیلڈمین کے دستخط تھے۔

جگدیش نے وہ خط ملتے ہی اپنے وکیل سے بات کی تھی۔ وکیل کا کہنا تھا کہ وہ اس طلبی کا سبب سمجھنے سے قاصر ہے۔ اُس نے یقین دلایا تھا کہ نکاراگوا کا سودا امریکن قوانین سے متصادم نہیں ہے۔ تاہم اُس نے محتاط رہنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ اس کے بعد جگدیش نے وائٹ ہاؤس فون کیا تھا۔ فیلڈمین موجود نہیں تھا۔ اُس کی سیکریٹری سے بات ہوئی تھی۔ ”مسٹر فیلڈمین آجائیں تو اُن سے کہنا کہ مجھے فون کر لیں“ جگدیش نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

”جناب، مسٹر فیلڈمین اپنی کمیٹی کے خفیہ معاملات کے متعلق کبھی فون پر گفتگو نہیں کرتے۔ آپ کل صبح وائٹ ہاؤس تشریف لے آئیے۔“ جواب ملا تھا۔

اس گفتگو کے نتیجے میں جگدیش اس وقت وائٹ ہاؤس میں موجود تھا۔ فیلڈمین تک

جینچے سے پہلے اُسے سیکیورٹی کے مراحل سے گزرنا پڑا، جو اُسے بہت گراں گزرا۔ دس منٹ بعد فیلڈمین کی سیکریٹری نے اپنے پاس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بہت تنگ کمرہ تھا۔ کھڑکیوں سے یکسر محروم۔ فیلڈمین جگدیش کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی کرسی سے اٹھا لیکن اُس نے جگدیش کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ البتہ اُس نے جگدیش کو سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جگدیش نے اُسے بہ غور دیکھا۔ وہ طویل القامت تھا اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ آنکھوں سے توانائی جھلکتی تھی۔ عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت میں دبدبہ تھا۔

”آپ کی آمد کا شکریہ۔ میں بلا تمہید آپ کو اس بلاوے کا سبب بتاؤں گا۔“

فیلڈمین نے اُس کے بیٹھے ہی کہا۔ ”کمیٹی نمبر 9 ملک میں بڑے بزنس کی پالیسی، سیاست اور کوالٹی کے بارے میں تحقیقی کام کے لیے بنائی گئی ہے۔ ہم بڑے کاروباریوں کے عزائم بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ اُن سے ملک و قوم کو کوئی خطرہ تو لاحق نہیں۔ اب آپ میری بات ذرا توجہ سے سنیں۔ ہمیں نکاراگوا کے سودے کا علم ہوا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں تم سے نمٹنے کا فرض سونپا گیا ہے۔“

”نکاراگوا؟ کون سا سودا؟ اور یہ مجھ سے نمٹنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجئے۔“ جگدیش نے سرد لہجے میں کہا۔

”یہ کام تو تم ہی مناسب طور پر کر سکو گے۔“ فیلڈمین کا لہجہ بھی سرد تھا۔

”میں اور میرے کچھ ساتھی سرمایہ دار اپنے اثاثے اور صنعتیں نکاراگوا منتقل کرنا چاہتے ہیں اور یہ غیر قانونی نہیں ہے۔ ہم قانون کی حدود میں رہ کر کام کر رہے ہیں۔“

”قانون کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دو۔ یہ بتاؤ کہ تم سبھاں گیتا اور ہارڈ ہیوز سے کس حد تک واقف ہو؟“

جگدیش چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اب میں اپنے وکیل کی عدم موجودگی میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔“

”اوہ، یہ بات ہے۔ تم اپنے بے ایمان وکیل کی موجودگی ہی میں بات کرو گے۔“

جگدیش اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

”ٹھہر جاؤ۔“ فیلڈ مین نے چیخ کر کہا۔ ”غور سے سنو اور میری بات اپنے پارٹنرز تک بھی پہنچا دو۔ وہ اس سے پہلے بھی ٹیکس سے بچنے کی ان گنت اسکیمیں بنا چکے ہیں لیکن یہ اسکیم واقعی کارآمد ہے۔ جنرل انٹرنیو سوزا ہم سے ناخوش ہے۔ تمہاری پیش کش بہت اچھی ہے۔ تم نکاراگوا خرید لو گے اور یہ تمہارے نزدیک ایک منفعت بخش سرمایہ کاری ہوگی۔ تمہارے بعد اور بھی بہت سے سرمایہ دار نکاراگوا کا رخ کریں گے لیکن میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہماری حکومت اس کی اجازت نہیں دے گی۔ تمہیں روکنے کا کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے مسٹر فیلڈ مین کہ تمہیں ایسا کام دیا گیا، جس کا مقدر ناکامی ہے۔ میں اور میرے پارٹنرز اس سودے کی تکمیل کر کے رہیں گے۔“ جگدیش نے کہا۔ ”حکومتوں کی غلط پالیسیوں نے ہمیں یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم ہمیں نہیں روک سکو گے۔“

”جاؤ اور اپنے پارٹنرز کو بتا دو کہ سودا منسوخ ہو گیا ہے۔“ فیلڈ مین نے سفاک لہجے میں کہا۔

”تم جاؤ اور ملک بھر کے وکیلوں سے مشورہ کر لو، اس کے بعد عدالت میں تم سے ملاقات ہوگی۔“

”ہرگز نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سودا قانون سے متصادم نہیں۔“

”تو اور تم کس طرح ہمیں روکو گے؟“

”میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور میں تمہیں روک کر رہوں گا۔ خواہ اس کے لیے مجھے انتہائی قدم اٹھانا پڑے۔“

”تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”تم اور تمہارے پارٹنرز.....“ فیلڈ مین کی آواز میں سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ ”تم

لوگوں نے اپنی تباہی کا سامان کر لیا ہے۔ یاد رکھنا، آخری فیصلہ تمہارا تھا۔ میں تم سب کو تباہ و برباد کر دوں گا۔“

جگدیش نے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔



سلوکم کی کوششوں کے نتیجے میں ٹریڈنگ میں ایک سراغ ملا تھا۔ الزبتھ مورس نے

وہاں کے ہوٹل کے اسٹور سے کچھ خریداری کی تھی اور ادائیگی کریڈٹ کارڈ کے ذریعے کی تھی۔ اُس نے جو چیزیں خریدی تھیں، وہ تمام مردانہ ضروریات کی تھیں۔

”اس کا مطلب ہے کہ مارکوس وہاں مل سکتا ہے۔“ حارث نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔

”ہاں، رین فیلڈ سینٹ اوریل میں مصروف رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ٹریڈنگ جاؤ۔ یہ بات ٹریڈنگ ہوٹل کی ہے۔“

ایک گھنٹے بعد حارث اپنی کار میں ٹریڈنگ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دو سوسل کا وہ سفر پانچ گھنٹے کھا جائے گا۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ موسم کے تیور بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ وہ ساڑھے پانچ گھنٹے بعد ٹریڈنگ پہنچا۔ قصبے میں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ ہوٹل ٹریڈنگ کی عمارت جدید طرز کی تھی۔ عمارت کے عقب میں پارکنگ ایریا میں چالیس کے قریب کاریں موجود تھیں۔ ایک جانب ایک چھوٹا سارن وے اور ہیلی پیڈ تھا۔ ہیلی پیڈ پر دو ہیلی کاپٹر موجود تھے۔ رن وے پر دو انجن والا سینا جہاز کھڑا تھا۔

حارث نے کار روکی اور چند لمحے سوچتا رہا۔ ہیلی کاپٹر کی موجودگی اُسے احساس دلا رہی تھی کہ اُسے محتاط رہنا ہوگا۔ وہ کسی بھی شخص کے چھپنے کے لیے بہترین مقام تھا۔ مارکوس آمدورفت کے لیے ہیلی کاپٹر استعمال کر سکتا تھا۔ اُس نے گاڑی آگے بڑھائی اور پارکنگ ایریا میں کھڑی کر دی۔ پھر وہ کار سے اُترا اور ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو گیا۔

اندر ہوٹل کے دو ملازم اور چھ مہمان نظر آئے۔ وہ انہیں بہ غور دیکھتا ہوا بار کی طرف بڑھ گیا۔ بار میں کوئی بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ بار مین بھی غائب تھا۔ اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ چار بجے تھے۔ وہ استقبال کاؤنٹر پر واپس آیا اور استقبالیہ کلرک سے مخاطب ہوا۔ ”گزشتہ رات بار میں، میں ایک صاحب سے ملا تھا، مجھے نام یاد نہیں رہا اُن کا۔“ اُس نے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کرتے ہوئے مارکوس کا حلیہ دہرایا۔ ”دراصل میں اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔“ اُس نے آخر میں کہا۔

کلرک چند لمحے سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”مسٹر ماریٹی ہی ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں، شاید یہی نام تھا، تھینک یو۔“ حارث نے کہا اور بار کی طرف چلا آیا۔ بار

والے کوریڈور میں فون بوتھ تھا۔ اُس نے فون کیا۔ سوئچ بورڈ آپریٹر نے جواب دیا۔ ”مسٹر مارینی کس کمرے میں ہیں؟“ اُس نے پوچھا۔

”317 میں۔“

”اُن سے بات کرائیے۔“

اگلے ہی لمحے جو آواز اُس نے سنی۔ اُس نے غیر متوقع نہ ہونے کے باوجود اُسے چونکا دیا۔ وہ الزبتھ کی آواز تھی۔ اُس نے فون رکھا اور زینوں کی طرف لپکا۔ تیسری منزل پر نصب تختی سے پتا چلا کہ 301 نمبر سے 321 تک کمرے اسی کوریڈور میں ہیں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ کمرہ نمبر 317 کے دروازے پر پہنچ کر اُس نے ریوالور نکالا اور اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ دروازہ الزبتھ نے کھولا۔ اُس نے کمرے میں قدم رکھا۔ الزبتھ تنہا تھی۔ وہ متوحش نظر آرہی تھی پھر اُس کے چہرے پر شدید غصے کا تاثر نظر آیا۔ ”دروازہ بند کر دو۔“ حارث نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

الزبتھ نے دروازہ بند کر دیا۔ ”تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟“

حارث نے جواب دینے کے بجائے اُلٹا سوال کر دیا۔ ”مارکوس کہاں ہے؟ کب واپس آئے گا؟“ سامنے ایک کارز میں تین سوٹ کیس رکھے تھے۔ اُن کے ڈھکنے اُٹھے ہوئے تھے۔ دو میں مردانہ اور تیسرے میں زنانہ ملبوسات تھے۔

”وہ رات کو واپس آئے گا۔“ الزبتھ نے جواب دیا۔ ”تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟“

”بس میں تمہیں ڈھونڈنا چاہتا تھا، سو تمہیں ڈھونڈ لیا۔“

”لیکن میں اب مارکوس کے ساتھ ہوں۔ اُس نے مجھے تم سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے۔“ الزبتھ نے سرد لہجے میں کہا۔ اُس کے انداز میں بے مہری تھی۔

”لغت بھیجو اُس پر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ڈونا ہوٹل کیوں چھوڑا؟“

”تمہیں یہ بھی معلوم ہے، اس کا مطلب ہے کہ تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو؟“

”میرے سوال کا جواب دو۔“ حارث نے سخت لہجے میں کہا۔

الزبتھ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ ”پئیر نے مجھے وہاں جانے کے لیے کہا تھا

لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ ایک موٹا آدمی میرا تعاقب کر رہا ہے، چنانچہ میں نے ہوٹل چھوڑ دیا۔“

”تم نے اُس موٹے کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا وہاں؟ تمہیں پتا نہیں کہ وہاں کیا ہوا؟“

”میں نے اُس موٹے کے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔“

حارث نے اندازہ لگایا کہ وہ سچ بول رہی ہے اور اُسے میڈوز کے قتل کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

”اور اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ الزبتھ نے سرد مہری اختیار کرتے ہوئے کہا۔

حارث خاموشی سے اس توہین کو پی گیا۔ چند روز پہلے اس لڑکی نے کچھ وعدے کیے تھے جن کی بنیاد پر وہ ایک مشترک مستقبل کے خواب دیکھنے لگا تھا لیکن اب پھر مارکوس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ حارث کو مایوسی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ تاہم اُس نے بڑے تحمل سے کہا۔ ”سوری، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اس لیے نہیں آیا کہ تم مجھے نکال دو، صرف مارکوس کی وجہ سے۔ میں تم سے جھوٹ سننے بھی نہیں آیا ہوں۔ تم نے کہا ہے کہ مارکوس رات کو آئے گا۔ ٹھیک ہے، میں رات کا انتظار کروں گا۔ میں اُس سے بات کروں گا۔ اُس کی مرمت کروں گا تاکہ تم اُس کی چنگل سے نکل سکو۔“

”لیکن میں مارکوس سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔“

”سوری۔“ حارث نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے اتنی عزیز ہو کہ میں تمہیں مارکوس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں مارکوس سے گفتگو کرنے کے بعد..... یا تو میں اور تم ایک ساتھ امریکا واپس جائیں گے یا میں تم دونوں کو مقامی پولیس کے سپرد کر دوں گا۔ یقین کرو یا نہ کرو، میں ایسا کروں گا۔“

وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی۔ ”ٹھیک ہے، میں مارکوس سے بات کرتی ہوں۔“ چند لمحے بعد وہ بولی۔

”کیا مطلب! کہاں ہے وہ؟“ حارث بری طرح چونکا۔

”نیچے..... کمرہ نمبر 273 میں۔ وہ دو راتوں کا جاگا ہوا تھا، سو رہا ہے۔“

”اُسے فون کرو۔“

”نہیں، وہ فون ریسیو نہیں کرے گا۔ تم سمجھتے کیوں نہیں، وہ اس کے تعاقب میں

ہیں، اُس پر دو بار قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔ میں خود اُسے لے کر آؤں گی، مجھ پر بھروسہ کرو۔ تم کیا محبت کرتے ہو مجھ سے؟“

”میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“

”نہیں، اس طرح بات نہیں بنے گی، یوں وہ زبان نہیں کھولے گا۔ مجھے اُسے سمجھانے کے لیے دس منٹ کی مہلت دو، میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی، تم پولیس کو فون کر دو گے تو ایک منٹ میں علاقے کی ناکابندی ہو جائے گی۔ میں مانتی ہوں، میں نے تمہیں دھوکے دیے ہیں لیکن میری دُشوار یوں کو بھی سامنے رکھو۔ پلیز، تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں کرو گے تو میں خود کو کیسے بدلوں گی۔“

اُس کے جانے کے بعد حادث چند سیکنڈ ساکت کھڑا رہا، پھر کمرے کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا۔ الماری میں مارکوس کے کئی سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ اُس نے ہر جب کی تلاشی لی، جیسے خالی تھیں۔ پھر اُس نے سوٹ کیسوں کی تلاشی لی لیکن کوئی ایسی چیز نہ نکلی جس سے اُن دونوں کی منزل کا پتا چلتا۔

اُس نے گھڑی دیکھی۔ الزبتھ کو گھنٹے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے۔ اُسے گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ الزبتھ پر اعتبار کر کے اُس نے حماقت کی تھی۔ وہ دروازے کی طرف لپکا اور کوریڈور میں نکل آیا۔ وہ بھاگ بھاگ کمر نمبر 273 میں پہنچا اور اُس نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ ایک پستہ قامت آدمی نے دروازہ کھولا۔ ”مسٹر مارینی موجود ہیں؟“ حادث نے اُس سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے، آپ غلط جگہ آ گئے ہیں جناب، یہ کمر نمبر 273 ہے۔“ پستہ قامت نے کہا۔

حادث سوری کہہ کر تیزی سے پلٹا۔ اُسے احساس ہو گیا کہ چوٹ ہو گئی ہے۔ وہ بھاگتا ہوا ہوٹل سے نکلا اور پارکنگ ایریا میں پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا، کہیں کوئی متحرک کار دکھائی نہیں دی۔ پھر اُس نے ایک آواز سنی اور چونک کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ الزبتھ اُس میں موجود تھی۔ ہیلی کاپٹر میں صرف پائلٹ تھا اور وہ مارکوس ہرگز نہیں تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر کو جاتا دیکھ کر کڑھتا رہا اور خود کو اپنی حماقت پر برا بھلا کہتا رہا۔

پھر وہ پلٹا اور ہوٹل میں آیا۔ لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچ کر وہ کمر نمبر 317

میں داخل ہوا۔ اُسے یقین تھا کہ مارکوس وہاں ضرور آئے گا۔ ایک گھنٹے کے بعد اُس کا یقین درست ثابت ہوا۔

مارکوس پہلے کے مقابلے میں کمزور ہو گیا تھا۔ حادث نے ریوالور کے اشارے سے اُسے دروازہ بند کرنے کو کہا۔ ”اب صورتِ حال اور خراب ہے۔“ اُس نے مارکوس سے کہا۔ ”تمہیں دو لاشوں کے سلسلے میں بھی جواب دہی کرنی ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا، تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کیوں کی، مجھے الزبتھ کی رشوت کیوں پیش کی؟“ حادث کا انداز جارحانہ تھا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”جگدیش کی آمد انتظار۔“

”جگدیش یہاں آ رہا ہے، کیوں؟“

”تم اُس کے۔ یہ کام کر رہے ہو۔ تمہیں وجہ یقیناً معلوم ہوگی۔“ مارکوس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

حادث نے ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اُس کے منہ پر رسید کیا۔ مارکوس فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ”میڈوز کا قاتل کون ہے؟ تمہاری جان کے درپے کون لوگ ہو رہے ہیں؟ جواب دو۔“ حادث نے سخت لہجے میں کہا۔ نکاراگوا کے کیونسٹوں کا ایک گروپ ہے، وہ یہاں موجود ہیں۔ یہ مت کہنا کہ تمہیں اس کا علم نہیں۔“ مارکوس نے اپنے منہ سے خون پونچھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

”اور تم یہاں جگدیش کے منتظر ہو؟ جبکہ ہمیں اس کی آمد کا علم ہی نہیں۔“

”ابتدا ہی سیکر ایجنڈ لیش سے براہِ راست رابطہ ہے۔ مجھے ہدایات انٹرنیو سموزا کے نائب جنرل اوٹریلو سے ملتی ہیں۔ میں اُس سے ملنے والے کاغذات و دستاویزات جگدیش تک پہنچا دیتا ہوں۔“

”اور ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ جھک مار رہے ہیں؟“ حادث جھنجھلا گیا۔ مارکوس ہچکچایا۔ ”اور پٹنا چاہتے ہو؟“ حادث نے دانت پیس کر کہا۔

”تم لوگ محض چارہ ہو..... کیونسٹ گوریلوں کے لیے۔ مقصد یہ تھا کہ کیونسٹ گوریلوں سے اُلجھے رہیں اور ہم بالا ہی بالا کام مکمل کر لیں۔ یہ تھیوری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ

میرے پیچھے پڑ گئے ہیں..... نہ جانے کیسے؟“

”یہ بات تمہیں کس نے بتائی کہ ہمیں یہ حیثیت چار استعمال کیا جا رہا ہے۔“

”میں تمہیں بتا رہا ہوں، یہ جگہ لیش کی حکمت عملی تھی۔“

”حقیقت یہ ہے کہ تم مجھے کچھ بتانے سے بچ رہے ہو، کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے بہتر

یہی ہے کہ شرافت سے اُگل دو، ورنہ میں تمہارے گھٹے چھلنی کر دوں گا۔“

”نہیں خدا کے لیے نہیں۔“ مارکوس گڑ گڑایا۔ ”ہاں، ایک بات ہے، جسے میں صرف

محسوس کر سکتا ہوں، اُس کی شناخت نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ ایک تیسرا گروپ بھی ہے، تم لوگوں اور

کیونٹوں کے علاوہ۔“

”لیکن یہ بات بھی تو تمہیں کسی وجہ سے محسوس ہوئی ہوگی۔“

”ہاں، میرے پیچھے دو گروہ لگے ہوئے ہیں۔ اُن میں لاطینی امریکا کے لوگوں کو تو

میں پہچانتا ہوں، دوسرے لوگ تو پولیس والے ہیں یا شکاگو کے گن مین۔ اصلیت کا علم تو صرف

خدا کو ہے۔“

اُس کی آواز میں مایوسی و بے چارگی تھی۔ حارث کو اندازہ ہو گیا کہ وہ سچ بول رہا

ہے۔ اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ”چلو، بات کرو۔“ حارث نے ریوالور لہراتے ہوئے کہا۔

مارکوس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ ”یس..... یس؟“ اگلے ہی لمحے اُس کا چہرہ سپید پڑ گیا

اور ہاتھ پیر کا پٹنے لگے۔ حارث فون کی طرف لپکا لیکن مارکوس نے اُس سے پہلے ہی ریسیور

کریڈل پر ڈال دیا۔

”کون تھا؟“ حارث نے سخت لہجے میں پوچھا۔

مارکوس کے چہرے پر دیوانگی کا تاثر نظر آیا اور اُس نے حارث پر چھلانگ لگا دی۔

حارث نے پہلو بچاتے ہوئے ریوالور والا ہاتھ گھمایا۔ مارکوس کی کینٹی پر دستہ لگا۔ وہ نیچے گرنے

سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا۔ حارث نے اُس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس میں ایک بٹوے کے

سوا کچھ نہیں تھا۔ بٹوے میں بیس ڈالر کے تین نوٹ تھے اور ایک چھوٹا نوٹ پیڈ۔ حارث نے

نوٹ پیڈ روشنی کے سامنے لا کر اُس کا جائزہ لیا کہ شاید اوپر والی شیٹ پر پچھلی تحریر کا نشان ہو

لیکن پیڈ بالکل صاف تھا۔

حارث نے اپنا کوٹ اٹھایا اور کمرے سے نکل آیا۔ لفٹ کے قریب وہ ایک گوشے

میں ڈبک کر کھڑا ہو گیا۔ پانچ منٹ بعد دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے بڑی احتیاط

سے جھانکا۔ مارکوس کمرے سے نکلا تھا۔ اس بار اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ لفٹ میں بیٹھ

گیا۔ لفٹ کا دروازہ بند ہوتے ہی حارث زینوں کی طرف جھپٹا۔ وہ نیچے پہنچا تو مارکوس ہوٹل

سے نکل رہا تھا۔ فاصلہ مناسب تھا۔ حارث بھی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مارکوس باہر کھڑی ہوئی فورڈ میں بیٹھا۔ دوسرے ہی لمحے فورڈ پارکنگ ایریا سے نکل

رہی تھی۔ حارث تیزی سے اپنی کار کی طرف لپکا۔ چند لمحے بعد وہ رڈ کا تعاقب کر رہا تھا۔



نکارا گوا کے دارالحکومت مانا گوا کے ایئر پورٹ سے نکلنے ہی جگہ لیش نے فیصلہ کر لیا

کہ پارٹنرز کے اقتدار سنبھالتے ہی اس سلسلے میں کام کرنا ہوگا۔ رن وے کی سہولتیں نا کافی

ہونے کی وجہ سے پروازوں کی آمد و رفت میں تاخیر بعض اوقات ایک گھنٹے سے تجاوز کر جاتی

تھی۔ اس کے بعد کسٹم کا مرحلہ بھی کم از کم ایک گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ نکارا گوا آیا تھا۔ پچھلی بار ایک ماہ پہلے۔ پہلے کی طرح اس بار

بھی سہاش نے اُسے لینے کے لیے کار بھیجی تھی۔ اس وقت وہ کار کی کھڑکی سے گزرتے ہوئے

مناظر دیکھ رہا تھا۔ نکارا گوا کا دارالحکومت ہالی ووڈ کی کسی فلم کا سیٹ معلوم ہو رہا تھا۔ جھوپڑیاں،

اندھے بھکاری، سڑکوں پر پھیلتے ہوئے ننگے بچے۔ اُس نے اتنی غربت ہندوستان اور افریقہ کے

پسماندہ ممالک میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہاں صرف دو عمارتیں قابل دید تھیں۔ نیشنل گارڈز کمانڈر

کا ہیڈ کوارٹر اور جنرل سموزا کا محل۔

پچھلے موقع پر وہ جنرل انٹونیو سموزا سے ایک گھنٹے کے لیے ملا تھا اور اُس سے بے

حد متاثر ہوا تھا۔ سہاش کا کہنا تھا کہ جنرل اُس سے کم دولت مند نہیں ہے اور یہ سچ بھی تھا۔

ملک کی واحد ایئر لائن، واحد سینٹ فیکٹری، سب سے زیادہ بکنے والا اخبار، سونے چاندی اور

جست کی متعدد دکانیں..... وہ سب کچھ سموزا فیملی کی ملکیت تھا اور اب جنرل اس ملک کو

فروخت کر کے کسی پرسکون مقام پر اپنے کنبے کے ساتھ گمنامی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

محل کے حفاظتی انتظامات واٹ ہاؤس سے بھی زیادہ سخت تھے۔ اس کی کارکنی جگہ

روکی گئی اور کاغذات چپک کیے گئے۔ بالآخر وہ محل کے نو تعمیر شدہ مشرقی دنگ میں داخل ہوا، جہاں اب سبھاش گپتا مقیم تھا۔

سبھاش گپتا اُس وقت کھانے میں مصروف تھا۔ پرہیزی کھانا، بھری کا سوپ، جس میں وہ ذیل روٹی توڑ کر بھگو لیتا تھا اور پھر چمچے سے اُسے کھاتا تھا۔ جگدیش کو قسمت کی اس ستم ظریفی پر ہمیشہ ہنسی آتی تھی کہ سبھاش ارب پتی ہونے کے باوجود لذت کام و ذہن سے محروم تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سبھاش، جگدیش کی طرف متوجہ ہوا۔ ”کہو، کیا پوزیشن ہے؟“

”میں فیلڈ مین کے متعلق اب تک کوئی اہم معلومات حاصل نہیں کر سکا ہوں۔“

جگدیش نے بتایا۔

”اب تو مہلت بھی صرف سات دن کی رہ گئی ہے۔ مجھے بھی اس سلسلے میں کوئی کام کا آدمی نہیں ملا۔“ سبھاش نے کہا۔

جگدیش کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ اثر و رسوخ سے سبھاش کا شمار دنیا کے طاقت ور ترین افراد میں ہوتا تھا۔ وہ ہر جگہ دنیا کے ہر ملک میں، ہر محکمے میں اپنا کوئی نہ کوئی رابطہ نکال لیتا تھا۔ ”میرے وکلا اس سلسلے میں مصروف ہیں۔ اُنہوں نے اپنے مطلب کا ایک آدمی ڈھونڈا تو ہے۔“

”بہت دیر ہوگئی۔ اب تو ہم یہ دُعا ہی کر سکتے ہیں کہ فیلڈ مین کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی معاہدے پر دستخط ہو جائیں۔ انٹونیو کے مشیروں اور انٹیلی جنس نے امریکی حکومت کے رد عمل کے بارے میں جو اندازہ لگایا ہے، وہ معقول ہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق دور در عمل متوقع ہیں۔ پہلا تو یہ کہ ہمارے خلاف اخباری مہم چلائی جاسکتی ہے۔ لیرے امریکا کی دولت لوٹ کر فرار ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ صرف سیاست دانوں کی نااہلی ثابت ہوگی۔ ہمارا اقدام غیر قانونی اور غیر آئینی نہیں ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ وہ ہمارے خلاف خفیہ طور پر انتہائی نوعیت کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کارروائی کیا ہوگی۔ وہ کس حد تک جائیں گے۔ واٹر گیٹ اسکینڈل کے بعد امریکی حکومت محتاط ہوگئی ہے۔ شخصی آزادی اور آزادی عمل کا دور دورہ ہے۔ سی آئی اے کی طاقت مفلوج ہوگئی ہے۔“

”آپ کا کیا خیال ہے، وہ کس حد تک آگے جائیں گے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”میرے خیال میں وہ ہمیں قتل کر دیں گے۔“ سبھاش کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

”آپ کے خیال میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ کا مسٹر فیلڈ مین کوئی گن مین ہے؟“

جگدیش کے لہجے سے پتا چلتا تھا کہ وہ اس معاملے کو سنگین نہیں سمجھ رہا ہے۔

”کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”وقت بدل گیا ہے۔ میرے خیال میں وہ صرف دھمکی دے سکتے ہیں، کچھ کر نہیں سکتے۔“

”دیکھو، سب کچھ سامنے آجائے گا۔“ سبھاش نے گمبیر لہجے میں کہا۔ ”میرا خیال ہے، ایک سال میں صورت حال واضح ہو جائے گی، بشرطیکہ میں اور تم اُس وقت تک زندہ رہے۔“



مانا گوا کے صدر قاتی محل میں پائیز کا اجلاس ہو رہا تھا۔ کچھ..... بہ نفس نفیس موجود تھے اور کچھ نے اپنے نمائندوں کو بھیجا تھا۔ اُن کے بیٹھتے ہی جگدیش اٹھ کھڑا ہوا۔ ”جنٹلمین! میں آپ سب کو مانا گوا میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جنرل انٹونیو سموزا کی مہمان نوازی سے متاثر ہوئے ہوں گے۔ آپ نے یہاں کی فیکٹریز، فارمز اور ٹی وی اسٹیشن کا معائنہ بھی کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید کہنا بے کار ہے کیونکہ ایک ہفتے بعد یہ سب کچھ ایک انوکھی خریداری کے نتیجے میں ہمارا ہوگا۔ آپ کو یقیناً احساس ہوگا کہ آپ تاریخ کے صفحات پر اپنا نام رقم کرنے والے ہیں۔ ایک ارب ڈالر کا یہ بیعانہ دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا بیعانہ ہے اور میں اسے دنیا کی سب سے اہم خریداری قرار دوں گا۔ اس کے دورس نتائج نکلیں گے۔ یہ ایک تصور تھا، جسے ہم نے حقیقت کا روپ دیا ہے، اب آپ سوالات کر سکتے ہیں۔“

البرٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے اجلاس کے شرکاء پر نظر ڈالی۔ ”ہم نیشنل گارڈز کی میٹنگ سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔“ اس کے آغاز کلام کیا۔ ”لیکن ہمارا خیال تھا کہ اس ملک میں کیونسٹوں کا صفایا 1975ء میں ہو گیا تھا، جب کہ نیشنل گارڈز کے دعوے کے مطابق کیونسٹ پھر سر اُبھار رہے ہیں۔ اس بار میں اُن کا طریق کار پہلے سے زیادہ موثر ہے۔“

”آپ کا اشارہ حزب اختلاف کے اخبار کی طرف ہے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

البرٹ نے سر کو تھپی جھنک دی۔ جگدیش دوبارہ گویا ہوا۔ ”میں نے صدر جنرل انٹونیو سے اس سلسلے میں بات کی ہے۔ اُنہوں نے یقین دہانی کرائی ہے کہ آئندہ چند ماہ میں وہ ان تمام

مشکلات پر قابو پالیں گے۔ اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”میں اسے تمہاری طرف سے یقین دہانی فرض کر رہا ہوں۔“ البرٹ نے کہا۔

”اُن سے یقینی طور پر نمٹ لیا جائے گا۔ اب پچاس روزہ ڈائری کی وضاحت سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ مسٹر سہاش گپتا نے امریکی سینٹ کی کمیٹی نمبر 9 کی انکوائری کی وجہ سے کمپنیوں کی نگار گوا منتقلی کا ابتدائی کام منوخر کر دیا ہے۔ مسٹر البرٹ چاہتے ہیں کہ یہ کام چھ ماہ کے اندر اندر ہو جائے۔ اب یہ ذہن میں رکھیے کہ ہماری حیثیت ایک کمپنی کے بورڈ جیسی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو رائے دینے کا حق حاصل ہے لیکن بورڈ کے صدر کی حیثیت سے، پالیسی کے معاملات میں مسٹر سہاش گپتا کا فیصلہ حتمی ہے، اگر ممبران کی اکثریت کسی بنیادی پالیسی سے اختلاف کرتی ہے تو بات ختم ہو جائے گی یعنی نگار گوا کی ڈیل ختم۔ مسٹر سہاش گپتا کا کہنا ہے کہ معاہدے پر عمل درآمد شروع ہونے کے ایک سال بعد منتقلی کا کام شروع ہوگا۔ تاہم اس سلسلے میں مسٹر سہاش گپتا اور مسٹر البرٹ کے درمیان علیحدہ سے بات ہونا چاہیے۔ آج کی میٹنگ کا مقصد پچاس دن کے ایجنڈے پر گفتگو کرنا ہے۔

”اس مسئلے پر مجھے تم سے اور سہاش سے بہر حال گفتگو کرنی ہے۔“ البرٹ نے کہا۔ ”لیکن فی الوقت ایجنڈے پر بات ہوگی۔“

”سو حضرات! انتقال اقتدار کے سلسلے میں یہ پچاس روزہ ایجنڈا آپ کو مل چکا ہے۔ اس وقت ہم اس پر گفتگو کریں گے۔ پہلے بنیادی باتیں ہو جائیں۔ معاہدے پر دستخط کے بعد ایک سال تک صدر جنرل انٹونیو سموزا کو یہیں صدارتی محل میں رہ کر ہماری نمائندگی کرنا ہوگی۔ اُس کا اپنا اختیار کچھ نہیں ہوگا۔ اُس کی حیثیت ہمارے لیے ایک اعزازی مشیر کی سی ہوگی۔ اس دوران اُس کا کنبہ بھی یہیں رہے گا۔ چھ ماہ بعد اُن لوگوں کی امریکارنگی کا مرحلہ شروع ہوگا جو سال کے اختتام تک ممکن ہو جائے گا۔ سال کے اختتام پر ہمارا نمائندہ جنرل زیلیٹیا ایمر جنسی کمیٹی کے صدر اور افواج کے سپریم چیف کی حیثیت سے منتخب کر لیا جائے گا۔“ اُس نے نظریں اٹھائیں۔ تمام شرکاء ایجنڈے کی کاپیوں کے ورق الٹ رہے تھے۔ شیڈول کے مطابق پہلا دن۔“ اُس نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ”دوپہر کو صدارتی محل سے جنرل انٹونیو سموزا کی بیماری کی خبر جاری ہوگی۔ جنرل زیلیٹیا عبوری صدر کی حیثیت سے حلف اٹھائے

گا۔ اہم حساس علاقوں میں نیشنل گارڈز کے دستے گشت کریں گے۔ لاس چالو پاس جیسے کمیونسٹ نواز علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا جائے گا۔ ٹی وی پر جنرل انٹونیو سموزا کا اسپتال سے انٹرویو ٹیلی کاسٹ ہوگا۔ یہ تھا پہلا دن۔ دوسرے دن کا آغاز حزب اختلاف کے اخبار لا پریسنا پر پابندی سے ہوگا۔“



صبح کا سپیدہ نمودار ہو رہا تھا۔ حارث کو احساس ہوا کہ واپسی کا سفر سست ثابت ہوا ہے۔ اس بار آٹھ گھنٹے لگے تھے۔ اب وہ سینٹ جان سے چار میل دور تھے۔ اچانک فورڈ کی رفتار کم ہو گئی یا تو مارکوس سینٹ جان میں داخل ہونے کا کوئی ذیلی راستہ استعمال کر رہا تھا۔ یا پھر وہ سینٹ اوریل جانے والی سڑک پر مڑنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اُس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ مارکوس کو جس راستے کی تلاش تھی، اُسے صنوبر کے درختوں نے چھپا رکھا تھا۔ حارث نے اندازہ لگایا کہ وہ راستہ سینٹ جان کے شمالی حصے میں نکلے گا۔ فورڈ بائیں جانب مڑ گئی۔ حارث نے اپنی کار کی رفتار بڑھا کر درمیانی فاصلہ کم کر دیا۔ چار میل بعد سینٹ جان کی آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ ساتھ ہی حارث کی مارکوس کو منزل کے متعلق اندازہ ہو گیا۔ وہ یقیناً بین انجینئرنگ کے آفس کی طرف جا رہا تھا۔ اس بار اُس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ فورڈ بین انجینئرنگ کے عقب میں قائم فیکٹری کی طرف جا رہی تھی۔ مارکوس نے کار روکی اور نکل کر فیکٹری کے دروازے کی طرف لپکا۔ حارث نے اپنی کار پیچھے روکی۔ وہ وہاں پہنچا تو مارکوس چابی سے دروازہ کھول رہا تھا پھر وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

حارث سوچتا رہا کہ کیا کرے۔ عمارت کے سامنے کے رخ پر کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ کچھ سوچ کر وہ دروازے کے قریب ایک ستون کے اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چار منٹ بعد مارکوس نمودار ہوا لیکن اس کا حال ابتر تھا۔ چہرہ فرط دہشت سے مسخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ کار تک پہنچتے پہنچتے اُسے قے ہو گئی۔

حارث حیرانی سے اُسے دیکھتا رہا۔ مارکوس گرتا پڑتا کار میں بیٹھا۔ وہ انجن اشارت کر رہی رہا تھا کہ حارث نے اُسے پکارا۔ ”رک جاؤ مارکوس، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔“

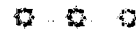
مارکوس نے ٹھٹھک کر اُسے دیکھا لیکن تیزی سے گاڑی بھگا لے گیا۔ حادثہ نے ریوالور جھکا لیا۔ فائر کرنا بے سود تھا۔ ویسے بھی وہ مارکوس کے اس ابتر حال کا سبب سمجھنا چاہتا تھا۔ وہ فیکٹری کے دروازے کی طرف چل دیا، جسے مارکوس کھلا چھوڑ گیا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

وہ ایک وسیع و عریض ہال میں کھڑا تھا۔ وہ فیکٹری درحقیقت مذبذب خانہ تھا۔ فضا میں جانوروں کے پیشاب اور خون کی سرائند رچی ہوئی تھی۔ شاید اتوار ہونے کی وجہ سے مذبذب خانہ سنسان تھا، ورنہ عام دنوں میں وہاں کتنے والے جانوروں کی چیخیں گونجتی ہوں گی۔ وہ مرکزی ہال میں بڑھتا رہا، جہاں جاہجا گوشت لٹکانے والے آکٹڑے چھت سے جھول رہے تھے۔ ہال کے ایک طرف وہ چبوترہ تھا، جہاں جانوروں کے حلقوں پر چھری پھیری جاتی تھی۔ اس کے عقب میں وہ حصہ تھا، جہاں گوشت کاٹنے والی مشینیں نصب تھیں۔ روشن دان سے اترنے والی ہلکی ہلکی دھوپ اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ حادثہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ چیز تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جس نے مارکوس جیسے آدمی کو دہلا دیا تھا ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا اور اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ قربانی والے چبوترے کی طرف بڑھتا رہا۔

شروع میں اُسے کچھ نظر نہیں آیا اُسے چبوترے پر پڑا ہوا وہ بہت بڑا خون آلود چاڑ نظر آیا، جس سے جانوروں کا گوشت کاٹا جاتا ہے۔ چبوترہ خون میں لتھڑا ہوا تھا لیکن یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ البتہ کچھ آگے بڑھنے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ وہ جما ہوا پرانا خون نہیں بلکہ تازہ خون ہے۔ کچھ اور قریب پہنچ کر وہ دہل گیا۔

وہ چبوترے پر بکھری پڑی تھی۔ چاڑ نے اُس کے سر کو کھیرے کی طرح کاٹ ڈالا تھا۔ اس کی جلد نیلی ہو گئی تھی۔ ہر طرف خون کے مغز آمیز چھینٹے تھے۔ حادثہ کو یقین نہیں آیا کہ ہاتھ سے استعمال کیا جانے والا چاڑ کسی انسانی جسم کا یہ حشر بھی کر سکتا ہے۔ وہ سحر زدہ سا اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ الزبتھ پیرٹ یا الزبتھ مورس، وہ جو کوئی بھی ہو، اُسے بے حد عزیز تھی۔

وہ باہر نکلا، کار میں بیٹھا اور اُسے اشارت کیا لیکن اُسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ اُسے یہ علم بھی نہیں تھا کہ کار کا رخ ہوٹل ہالٹن کی طرف ہے۔



اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے تصور میں الزبتھ کا سراپا تھا، وہ شگفتہ بدن نہیں، جسے اُس نے چاہا تھا، وہ چھتھڑے جنہیں اُس نے مذبذب خانے میں بکھرے دیکھا تھا اور وہ صرف اُسی کی خاطر سینٹ جان واپس آیا تھا۔ وہ مرچکی تھی۔ اب ٹھہرنے کا فائدہ؟ لیکن وہ تو قید محبت سے چھٹ کر قید و فامیں آ پھنسا تھا۔ جھنکار بدل گئی تھی لیکن زنجیر تو نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ چھتھڑے جو کبھی نظر نواز جسم ہوا کرتے تھے، اُسے انتقام کے لیے پکار رہے تھے۔ اُس نے کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔ اس ذہنی کیفیت میں تو کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف مارکوس تھا۔ وہ یقینی طور پر ایئر پورٹ سے بول رہا تھا۔ جہازوں کی آوازیں بالکل واضح تھیں۔ ”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ مارکوس کی آواز بکھر رہی تھی۔ ”مجھے تم سے ملنا ہے لیکن یہاں نہیں، یہاں تو الزبتھ کی طرح مجھے بھی ختم کر دیں گے۔ میں ٹورنٹو جا رہا ہوں، مجھ سے وہاں ملو۔ سنو! شوٹر ہوٹل ہے، اُس میں ٹھہرنا۔ میں وہاں تم سے بات کروں گا۔“

رابطہ منقطع ہو گیا۔ حادثہ نے ایئر پورٹ فون کیا۔ ٹورنٹو جانے والی فلائیٹ روانہ ہو رہی تھی۔ دوسری کی روانگی میں ایک گھنٹا تھا۔ اُسے اپنے لیے سیٹ ریزرو کرالی۔

پھر وہ باہر نکلا۔ اُس نے اپنی پینٹو میں بے مقصد ایک چکر لگایا، یہ دیکھنے کے لیے کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا ہے۔ مطمئن ہو کر اُس نے ٹیکسی کے اڈے پر کار پارک کی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ سینٹ جان ایئر پورٹ کے ٹرمینل میں تھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ ٹورنٹو کے لیے روانہ ہو گیا۔ تین گھنٹے کے اس سفر میں اُسے اندازہ ہوا کہ وہ اعصابی طور پر کتنا شکستہ ہو رہا ہے۔ اُسے کھائے پئے سولہ گھنٹے ہو چکے تھے اور اُس سے اب بھی کچھ کھایا نہیں جا رہا تھا۔ اُسکے ہاتھ لرز رہے تھے۔ ایئر پورٹ سے وہ سیدھا شوٹر ہوٹل گیا۔ اُس نے کمر لیا۔ اُسی وقت استقبالیہ کلرک کے اُسے ایک پکٹ دیا۔ اُس نے کمرے میں آکر پکٹ کھولا۔ اُس میں دو ٹیلی فون انسٹرومنٹ رہے ہوں گے لیکن اب صرف ایک انسٹرومنٹ تھا۔ اُس کے ساتھ کوئی رقعہ نہیں تھا لیکن وہ سمجھ گیا کہ دوسرا انسٹرومنٹ مارکوس کے پاس ہوگا۔ انسٹرومنٹ کے ساتھ اُسے استعمال کرنے کے سلسلے میں چھپا ہوا ہدایت نامہ بھی تھا۔ اُسے اصل فون کے ساتھ منسلک کرنا تھا۔ اُس آلے کی وجہ سے کال کہیں اور نہیں سنی جاسکتی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ

مارکوس بہت محتاط ہے۔ وہ حادثہ پر بھی اعتماد نہیں کر رہا تھا اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی گفتگو ٹیپ ہو۔ اُس نے پیکٹ میں سے نکلنے والا آلہ فون سے منسلک کیا اور مارکوس کی کال کا انتظار کرنے لگا۔

فون کی گھنٹی دو بجے چینی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا اور اُسے بستر پر رکھ دیا پھر اُس آلے کے ماتھ پیس میں کہا۔ ”ہیلو۔“ آلے کے ساتھ چھوٹا سا اسمبلی فارم بھی تھا۔

”میں صرف دو منٹ بات کروں گا۔ دو منٹ بعد مجھے لوکیشن تبدیل کرنی ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پولیس کو میرے پیچھے لگا دو۔“

”میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔“ حادثہ نے اُسے یقین دلایا۔

”اس کے باوجود میں احتیاط سے کام لوں گا۔ میں تمہیں نکاراگوا کے سودے کے متعلق اتنا کچھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ موقع ملنے پر تم اُن لوگوں کی ریڑھ لگا سکو، جنہوں نے ہمیں کھلونوں کی طرح استعمال کیا ہے۔ بعض باتیں خود میرے ذہن میں بھی واضح نہیں۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ مجھے استعمال کیا گیا ہے اور اب الزبتھ کی طرح میں بھی ماریا جاؤں گا مجھے پانچ لاکھ ڈالر کالا لچ لے ڈوبا، جس میں سے پچاس ہزار فوری طور پر ادا کر دیے گئے تھے۔ جنرل انونیو سوزا کے گھرانے سے میرے گھرانے کے پرانے مراسم تھے۔ تجویز سبھاں گپتا کی تھی۔ اُس نے زندگی میں سب کچھ کر لیا تھا۔ سوائے کسی ملک پر حکمرانی کے۔ اُس نے جنرل سے بات کی۔ جنرل کے نزدیک کسی ملک کی خرید و فروخت کا تصور، ہی سرے سے احمقانہ تھا۔ اُس نے مجھے درمیان میں ڈالا کیونکہ میں غیر اہم آدمی تھا۔ ناکامی کی صورت میں وہ ذمے داری مجھ پر ڈالتا اور مجھے نیشنل گارڈز سے شوٹ کروا سکتا تھا وہ مجھے بے وقوف سمجھتا تھا۔ دوسری طرف ان کاروباری لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سودا دو جمع دو برابر چار کی طرح سیدھا سادا ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکے کہ وہ کوئی مل نہیں، پورا ملک خرید رہے ہیں۔ عوام سمیت..... اور یہ بیسویں صدی ہے۔

جنرل انونیو خود اپنے جنرلوں کے زور پر حکومت کر رہا ہے چنانچہ سودے میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں۔ جنرل انونیو کو تمام جنرلوں کو بھی حصہ دینا تھا۔ حادثہ..... میں دو مہینے یہ پیچیدگیاں سلجھاتا رہا ہوں۔ ہر روز کسی سمت سے ایک نیا مطالبہ سنائی دیتا تھا میں جانتا تھا کہ جلد یا دیر بات نچلے طبقے تک بھی پہنچ جائے گی۔ کیونٹوں کو معلوم ہوگا اور اُن کے ذریعے اُن

کے کیمین آقا بھی باخبر ہو جائیں گے۔ مجھے معلوم تھا کہ سفاک کیونٹ میری زندگی کے پیچھے پڑ جائیں گے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے پیچھے مختلف تین گروہ پڑیں گے۔ سنو حادثہ! میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کروں گا۔ دو منٹ ہو گئے۔ اب میں جگہ بدلوں گا۔ بیس منٹ انتظار کرو میری کال کا۔“ اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد دوبارہ گھنٹی بجی۔ حادثہ نے ریسیور اٹھا کر پھر بستر پر رکھ دیا۔

”حادثہ! میں کہہ رہا تھا کہ میرے پیچھے تین گروہ ہیں۔ کیونٹ گوریلے، جونہ جانے کس طرح مانا گوا سے میرے پیچھے لگ کر سینٹ جان تک چلے آئے۔ ان کی تعداد تیس سے کم نہیں ہے پھر جگہ لیش، سلوکم اور رین فیلڈ..... یقین کرو، ان میں سے ایک قاتل ہے..... کون یہ میں نہیں جانتا اور تیسری پارٹی بھی ہے جو اچانک نمودار ہوئی ہے۔ حادثہ! میرا خاتمہ الزبتھ کی طرح انھی کے ہاتھوں ہوگا۔ وہ کون ہیں، یہ مجھے معلوم نہیں۔ بہر حال میں اب سینٹ جان واپس جا رہا ہوں۔ میں اتنا کچھ جانتا ہوں کہ میری بچت کی کوئی صورت نہیں۔ کچھ نہیں تو جنرل انونیو میرے پیچھے اپنے آدمی لگا دے گا۔ چنانچہ اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ میں سودا نمٹانے کی کوشش کروں۔ تم پولیس میں تھے، اب بھی ہو۔ فرق صرف اتنا کہ اب تم خود کو جواب دہ ہو۔ تمہیں بھی سینٹ جان واپس جانا چاہیے۔ سوالوں کے جواب تلاش کرنے چاہئیں لیکن تیسری پارٹی سے ہوشیار رہنا، اگر میں مری جاؤں تو میرے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانا۔ اب میں پھر جگہ بدل رہا ہوں، دس منٹ بعد فون کروں گا۔“

لیکن ایک گھنٹا ہو گیا اور مارکوس نے فون نہیں کیا۔ حادثہ کو مارکوس کی آخری التجا کا بوجھ اپنے ضمیر پر محسوس ہو رہا تھا۔ واقعی، اُسے واپس جانا تھا۔ اُسے الزبتھ کے خون ناحق کا حساب اُس کے قاتلوں سے لینا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر سوچتا رہا۔ اُس نے فون کے ساتھ منسلک آلہ علیحدہ کر لیا تھا اور غائب دماغی کی کیفیت میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ آلہ بالکل نیا تھا پھر اُس نے ایک چیز دیکھی اور چونک اٹھا۔ کیا یہ سب کچھ جال تھا جو اُس کے لیے بچھایا گیا تھا تا کہ وہ سینٹ جان واپس جائے؟ شاید اس لیے کہ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ الزبتھ کی موت کے بعد وہ نہیں رُکے گا لیکن مارکوس کو کس نے بھیجا تھا۔ اس آلے کے مینوفیکچر نے..... اس نئے آلے کے ساتھ جو ابھی بازار میں نہیں آیا تھا..... کچھ ہدایت کے ساتھ، جن پر مارکوس نے عمل کیا تھا۔

حادث نے بڑی بے یقینی سے آلے پر لگی ہوئی مہر کو دیکھا لیکن ہر حرف، حرف حقیقت تھا۔ وہ آلہ جگدیش کا پوریشن کار تیار کردہ تھا اور بالخصوص مارکوس کو فراہم کیا گیا تھا۔



ہیلی کاپٹر پہلے سے موجود دو ہیلی کاپٹرز کے برابر اُترا۔ سلوکم، جگدیش کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ جگدیش نے اُترتے ہی جہاز کے متعلق پوچھا۔ سلوکم نے لنگر انداز جہاز کی طرف اشارہ کیا۔

”کتنے آدمی ہیں اس میں؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”ابھی وہ چیک کر رہے ہیں۔“ سلوکم نے جہاز پر چکراتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی

طرف اشارہ کیا۔

”اب میں تمہیں تمہاری کارکردگی کے متعلق بتا دوں۔“ جگدیش نے نیچی آواز میں کہا لیکن اس کا چہرہ غصے سے متمتا رہا تھا۔ ”میں اس وقت یہاں اس لیے موجود ہوں کہ تم نے ہر کام خطرناک طریقے سے کیا ہے، اپنی نااہلی ثابت کی ہے مجھے اس وقت یہاں سے ہزاروں میل دور ہونا چاہیے تھا۔ میرے پاس دولت ہے، طاقت ہے، جس کے زور پر یہ پروجیکٹ ہر مرحلے پر نہایت آسان ثابت ہوتا لیکن ہوا یہ کہ میں نے کام تمہیں سونپا۔ صرف اس لیے کہ سبھاں گپتانے تمہاری سفارش کی تھی۔ میں نے تمہاری اور سبھاں کی قوت فیصلہ و تجربے پر انحصار کیا۔“ جگدیش کی آواز لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ”میں نے تم سے کام کا نانا جوڑا..... مہلک نانا۔ اب اس مرحلے پر میں تمہیں تبدیل بھی نہیں کر سکتا، بہت دیر ہو گئی۔“ جگدیش اب ہاتھ مل رہا تھا۔

”اس دوسرے گروپ کے متعلق تو کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ بھی پیشہ ور قاتلوں

کا گروپ.....“ سلوکم نے دبی دبی آواز میں احتجاج کیا۔

”چھوڑو، اس سے پہلے تم نے ایک خطرہ شناخت کیا۔ تم خطرے کی سمت بھانپ گئے لیکن خطرے کے ساز کے بارے میں تمہارا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اب یہ کوتاہی ہمیں تباہ کرنے والی ہے۔“

”میں کیا کر سکتا تھا؟“ سلوکم نے بے بسی سے کہا۔

”تم نے کہا تھا، کیونسٹوں کے ایجنٹ دو یا تین ہیں۔ اب حساب لگانے سے ہٹا چلتا

ہے کہ وہ کم از کم تین.....“

”تین نفی گیارہ کہیے۔“ اس بار سلوکم نے تند لہجے میں جگدیش کی بات کاٹ دی۔

”گیارہ ختم ہو چکے اور آپ ذہن میں رکھیے کہ آپ مجھ سے تین مردہ انسان طلب کر رہے ہیں۔“

”وہ انسان نہیں ہیں، وہ قاتل ہیں۔“ جگدیش نے پھکار کر کہا۔ ”دیکھو، تین ارب

ڈالر کے معاہدے پر دستخط ہونے میں صرف تین دن ہیں۔ ہماری کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ تم

اس سے پہلے ان کیونسٹ دہشت گردوں کو تلاش کر کے ٹھکانے لگا دو۔ اب تمہیں وسائل بھی میسر

ہیں۔“ جگدیش نے لنگر انداز جہاز کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہارے پاس آدمیوں کی کمی نہیں، یہ

کام تمہیں کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے اس کام کی تکمیل کے لیے خود یو الوور لے کر ٹھکانا پڑے۔“



حادث اپنی پنو کار میں تھا۔ ایک نیلی کار اُس کا تعاقب کر رہی تھی۔ تعاقب کرنے

والی کار میں صرف ڈرائیور تھا۔ حادث کوشش کے باوجود اُس کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ اُس کی

کار سینٹ اوریل میں داخل ہوتے ہی نیلی کار ایک موڑ پر غائب ہو گئی۔ حادث نے ایک لمحے

کے لیے پلٹ کر اُس کا تعاقب کرنے کا سوچا لیکن فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اُسے جلد از جلد رین فیلڈ سے بات کر کے فیصلہ کرنا تھا کہ پولیس سے مدد لینی ہے یا نہیں۔

اُس نے ٹورسٹ ہاؤس کے سامنے کار پارک کی۔ ہال خالی تھا۔ وہ اوپر رین فیلڈ

کے کمرے کی طرف چلا۔ سلوکم کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ اُس کے قدموں کی آہٹ سن کر

بری طرح بدکا پھر اُس نے سخت لہجے میں کہا۔ ”کہاں ہو تم؟ تم نے فون کیوں نہیں کیا؟ رین

فیلڈ کو قتل کر دیا گیا۔“ اُس کا انداز ایسا تھا، جیسے رین فیلڈ کے قتل کے ذمے داری حادث کے

فون نہ کرنے پر ڈال رہا ہو۔

”کیا!“ حادث کو زبردست جھٹکا لگا۔ ”رین فیلڈ مر گیا؟“

”ہاں، ایگلن کے مکان کے سامنے صوبہ کے ججنڈ میں اُسے قتل کر دیا گیا۔“ سلوکم

نے بے چارگی سے کہا۔ ”کل وہ غائب ہو گیا تھا۔ کیمرہ اُس کے پاس تھا۔ وہ کوئی اہم تصویر

لے رہا ہوگا کیونکہ کیمرے سے فلم غائب ہے۔“

حادث بیٹھ گیا۔ سلوکم پریشان تھا۔ کیا اس لیے کہ اُس کا ایک ساتھی موت سے

ہمکنار ہوا تھا..... یا اس لیے کہ اُس کی موت نے اُس کا منصوبہ کھٹائی میں ڈال دیا۔ ”البتہ

پیرٹ بھی قتل کر دی گئی۔“ حارث نے انکشاف کیا۔

سلوک نے وہ خبر بڑے تحمل سے سنی۔ شاید غیر متوقع نہیں تھی۔ ایک لمحے بعد اُس نے پوچھا۔ ”کب؟“

حارث نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ”مجھے الزبحہ کے قاتلوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔“

”اخبار میں نہ اُس کے قتل کے بارے میں خبر چھپی اور نہ میڈوز کے قتل کی خبر چھپی۔ پہلے تو اس کا سبب سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”لغت ہو، ہم سب سستے کبے ہیں۔“ سلوکم غرایا۔ ”میں جگدیش کو جواب دہ ہوں۔ تمہیں اور رین فیلڈ کو میں نے منتخب کیا تھا۔ ہمارا کام اینکلن کے مکان کی نگرانی کرنا تھا۔ یہ تو اب پتا چلا کہ ہم صرف چارے کے طور پر کیو سنٹوں کے سامنے ڈالے گئے تھے جبکہ جگدیش، مارکوس سے براہ راست مذاکرات کر رہا تھا۔

”تمہاری جگدیش سے ملاقات ہوئی؟“

”نہیں، آج ہوگی۔ اُس نے اعتراف کر لیا ہے کہ ہمیں اصل معاملے کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں یہ پسند نہیں تو الگ ہٹ جائیں لیکن اب، اس اسٹیج پر یہ ناممکن ہے۔ حارث، رین فیلڈ کی لاش اب بھی وہاں پڑی ہے، جا کر اُسے چیک کرو۔ ممکن ہے، کوئی سراغ مل جائے۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے اسے وہاں کیوں مارا، یہاں کیوں نہیں۔ میں جگدیش سے ملنے جا رہا ہوں۔“

حارث کو احساس ہوا کہ وہ سلوکم کے بارے میں کبھی صحیح اندازہ نہیں لگا سکا۔ کب وہ جھوٹ بولتا ہے اور کب سچ۔ ”ٹھیک ہے، میں چیک کرتا ہوں۔“ اُس نے کہا۔



رین فیلڈ کی لاش سطح زمین پڑی تھی۔ سڑک سے اُسے دیکھنا ناممکن تھا لیکن اینکلن کے مکان سے دور بین کی مدد سے یقیناً دیکھا جاسکتا تھا۔ اُس کے چہرے پر نمل تھے۔ صاف پتا چلتا تھا کہ قتل سے پہلے اُسے مارا پیٹا گیا ہوگا۔ حارث نے اُس کی جیبیں چیک کیں لیکن تھوڑی سی رقم اور شناختی کاغذات کے علاوہ کچھ بھی نہیں نکلا۔ لاش پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا

البتہ گلے پر سوجن تھی، جس سے پتا چلتا تھا کہ اُس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ حملہ آور کئی تھے۔ برف پر قدموں کے نشانات بے حد واضح تھے۔ نشانات کی مدد سے حارث نے اندازہ لگایا کہ رین فیلڈ پر کم از کم سات افراد نے حملہ کیا تھا۔ نشانات سے سمت کا پتا بھی چلتا تھا۔ حملہ آور سڑک کی طرف سے آئے تھے اور اُسی سمت واپس گئے تھے۔

قریب ہی گرا ہوا ایک درخت تھا۔ حارث نے گرو پیش کا جائزہ لیا۔ وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ رین فیلڈ گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھا ہوگا کیونکہ تنے پر ایک جگہ برف موجود نہیں تھی۔ اس جگہ کے قریب ہی رین فیلڈ کے پسندیدہ برائڈ ونسٹن کا خالی پیکٹ پڑا تھا۔ وہاں سگریٹ کے دس بارہ ٹوٹے بھی تھے۔ حارث نے اندازہ لگایا کہ قتل کے وقت اندھیرا نہیں ہوگا تو روشنی بھی نہیں ہوگی کیونکہ رین فیلڈ اپنے قاتلوں کی پیش قدمی نہیں دیکھ سکا تھا۔ ٹوٹوں کی تعداد بتاتی تھی کہ وہاں کافی دیر بیٹھا تھا اور اینکلن کے مکان کی نگرانی کرتا رہا پھر اچانک ہی اُسے گھیر لیا گیا ہوگا۔

حارث نے وہاں کھڑے ہو کر کئی زاویوں سے اینکلن کے مکان کا جائزہ لیا۔ وہ سوچتا رہا، اگر رین فیلڈ مکان کے داخلی دروازے کی نگرانی کر رہا تھا تو اُسے چٹان پر ہونا چاہیے تھا، جہاں سے اُس نے چند روز پہلے مارکوس پر تین آدمیوں کا حملہ دیکھا تھا۔ یہ درخت کا تنہا مکان کی نگرانی کے لیے مناسب جگہ نہیں تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ مکان کی نگرانی نہیں کر رہا تھا۔ حارث خود اُس تنے پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے سڑک کا ایک حصہ، ٹورسٹ ہاؤس اور اینکلن کی جاگیر کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ سینٹ اوریل کی بندرگاہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ حارث کو یقین تھا کہ یہیں کہیں رین فیلڈ کے قتل کا سراغ موجود ہے لیکن فی الوقت اُس کی نظروں سے مخفی۔ اہم ترین سوال یہ تھا کہ رین فیلڈ کیا دیکھ رہا تھا۔

وہ ٹورسٹ ہاؤس پہنچا۔ سلوکم جا چکا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس گیا اور کیرے کی ٹیلسکوپک سائٹ سے اینکلن کے مکان کا جائزہ لیا۔ پھر اُس نے اپنی جیب سے دوربین نکالی اور دوبارہ جائزہ لیا۔ اس بار وہ اینکلن کے مکان تک محدود نہیں رہا تھا بلکہ اُس نے قصبے اور خلیج کا جائزہ بھی لیا تھا۔ آخر کون کی سی چیز تھی، جس نے رین فیلڈ کو اس کمرے سے نکل کر جھنڈ کی طرف جانے پر مجبور کیا تھا۔ رین فیلڈ نے یہاں کچھ دیکھا تھا۔ رین فیلڈ کے قتل میں کہیں کوئی

گڑ بڑھتی۔ وہ درخت کے تنے پر بیٹھا تھا، جہاں سے مکان پر نظر نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اُس کے کمرے سے فلم نکال لی گئی تھی۔

اُس نے اپنے ذہن میں سر اٹھانے والے تمام سوالات کو مرتب کیا۔ رین فیلڈ کو قتل کیوں کیا گیا؟ الزبتھ کو کس نے قتل کیا؟ میڈوز کا قاتل کون ہے؟ سلوکم کا اس ڈرامے میں کیا کردار ہے؟ حارث کو موہوم سا احساس ہو رہا تھا کہ ان تمام سوالوں کا جواب ایک ہے۔ رین فیلڈ کے قتل کی وجہ معلوم ہوتے ہی سب کچھ حل ہو جائے گا۔ رین فیلڈ کی کارگزاری صفر تھی پھر بھی وہ قتل کر دیا گیا، کیا واقعی اُس کی کارگزاری صفر تھی؟

رین فیلڈ بارہ سال محکمہ پولیس سے وابستہ رہا تھا۔ وہ تجربے کا رہا تھا۔ اُس میں وجدانی صلاحیت تھی۔ وہ پیش بین تھا۔ وہ حسابی ذہن کا مالک تھا۔ اُس نے اس کھڑکی سے کوئی غیر معمولی بات دیکھی ہوگی، کوئی نتیجہ اخذ کیا ہوگا۔ اُس نے حملہ آوروں کو دوبارہ آتے دیکھا تھا، جنہوں نے ایک بار اینگلن کے مکان میں فائرنگ کی تھی؟ وہ کہاں سے آئے ہوں گے، کہاں واپس گئے ہوں گے؟ اس کے علاوہ وہاں دیکھنے کو اور تھا ہی کیا۔ مرغابیاں، بادل، ساحل، خلیج، مچھیروں کے مکان، کشتیاں اور اسٹیمر لیکن اس میں رین فیلڈ دلچسپی نہیں لے سکتا تھا۔ لیتا تو کیوں لیتا؟

ساڑھے چھ بج گئے۔ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا سوچتا رہا۔ بندرگاہ پر لنگر انداز کارگو جہاز متحرک نظر آ رہا تھا، سمندر کے چڑھنے کی وجہ سے موجیں تند ہو گئی تھیں۔ وہ سوال قائم کرتا رہا۔ کیا رین فیلڈ نے اینگلن کی جاکیر میں کسی ہیلی کاپٹر کو اترتے دیکھا تھا..... اجنبی چہروں کے ساتھ؟ کیا یہی وجہ تھی کہ وہ مکان کے رُخ پر نہیں بیٹھا تھا؟ وہ اُن کی تصویریں لینا چاہتا تھا؟ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ اٹھا اور مسز ڈالن کی طرف چل دیا۔ اُسے بھوک لگ رہی تھی۔

رات بارہ بجے وہ سویا لیکن چار بجے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ رین فیلڈ کے قتل کا معما اُس کے ذہن کے لیے چیلنج بن گیا تھا۔ وہ پھر اُسی الجھن میں پھنس گیا۔ رین فیلڈ نے کچھ دیکھا تھا۔ ایک کیرا، خلیج کا منظر، قصبہ اور اُس کی سڑکیں، اینگلن کا مکان، اینگلن کے ملازمین، ہیلی کاپٹر، مسلح حملہ آور، مرغابیاں، جہاز، وہ تمام چیزوں کو یکجا کر کے اپنے ذہن میں ایک تصویر

بنانے کی کوشش کرتا رہا۔

وہ بری طرح چونکا۔ ہاں، ایک چیز تھی جسے رین فیلڈ جیسا تجربے کا آدمی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کارگو شپ، جو بندرگاہ میں لنگر انداز تھا۔ یقیناً یہی بات تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے وہ جہاز واضح طور پر نظر آتا تھا اور اُسے صنوبر کے جھنڈ سے بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ برف پر قدموں کے نشانات گواہی دیتے تھے کہ حملہ آوروں کی تعداد سات تھی اور اُس جہاز میں سات کیا، ستر قاتل بھی چھپ سکتے تھے۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ اُسے تمام سوالوں کا جواب مل گیا ہے۔ قاتل جہاز سے آئے ہوں گے۔ وہ تین آدمی بھی جہاز سے آئے ہوں گے، جنہوں نے چند روز پہلے مارکوس پر اینگلن کے مکان میں حملہ کیا تھا۔ اُس پر حملہ بھی اُنہوں نے کیا ہوگا۔ الزبتھ کو اور رین فیلڈ کو بھی اُنہوں نے ہی قتل کیا ہوگا۔

اب سونے کا سواں ہی نہیں تھا۔ اُسے مزید غور کرنا تھا۔ اپنے تحفظ کا بھی خیال رکھنا تھا۔ جس مہلک باخبری نے رین فیلڈ کی جان لی تھی، وہ اب اُس کے پاس تھی۔

صبح سات بجے اُس نے لباس تبدیل کیا، ریوالور لوڈ کر کے جیب میں رکھا۔ کارٹوسوں کا بکس بیورو میں رین فیلڈ کے کپڑوں کے نیچے چھپایا اور نیچے چلا آیا۔ اُس نے مسز ڈالن کو سوڈا کا نوٹ دیا اور اُسے اپنی ضروریات کے متعلق بتایا۔ مسز ڈالن فوراً ہی باہر چلی گئی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

آدھے گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ مسز ڈالن تھی۔ ”مسٹر کیٹ کی بوٹ موجود ہے لیکن خیال رکھنا، سمندر میں گر نہ جانا، ایک منٹ میں مر جاؤ گے، صرف ایک منٹ میں.....“ مسز ڈالن نے کہا۔

حارث ٹورسٹ ہاؤس سے نکلا اور گودی کی طرف چل دیا۔ گودی پر بڑھا مسٹر کیٹ اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے حارث سے دریافت کیا کہ وہ کہاں جائے گا۔

”بس یہیں چکر لگاؤں گا۔“ حارث نے جواب دیا۔

”زیادہ دور نہ جانا، یہاں موسم بہت تیزی سے بدلتا ہے۔“ مسٹر کیٹ نے کہا۔ اور پانی میں نہ گر جانا، صرف دو منٹ میں مر جاؤ گے۔“

حارث نے سر کو تقہی جمنش دی اور بوٹ میں اتر گیا۔ اُس نے انجن اشارت کیا،

بوٹ کی سمت بدلی اور پینڈ تھروٹل کھول دیا۔ اچانک اُسے سخت سردی کا احساس ہوا۔ خون جما دینے والی سرد ہوا، برف جیسے پانی کو چھو کر اور سرد ہو گئی تھی۔ ٹمپرچر صفر سے نیچے تھا۔ اُس نے بوٹ کو کارگو شپ کی سمت ڈال دیا اور پلٹ کر تیزی سے دور ہوتے چھوٹے چھوٹے مکانوں کو دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کی نگرانی کی جارہی ہے، فون کھڑک رہے ہیں، ہدایات جاری کی جارہی ہیں۔ اُس نے ایٹکلن کے مکان کے سمت دیکھا، جس پر سکوت طاری تھا لیکن ممکن ہے، مکان کے اندر اُس کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جا رہا ہو، جو رین فیلڈ کے بارے میں کیا گیا تھا۔

جہاز اب قریب تر ہو رہا تھا..... اُس نے بوٹ کو بائیں سمت موڑا۔ وہ جہاز کے پچھلے حصے کی طرف پہنچنا چاہتا تھا۔ اُس کا نام ناگرا تھا۔ وہ عقبی سمت سے پانی میں زیادہ ڈوبا ہوا تھا جیسے اُس کا کارگو عقبی حصے میں منتقل کر دیا گیا ہو۔ اُس نے اپنی بوٹ کو جہاز کے عقبی حصے سے بانہا اور جہاز کے عقب سے لگی ہوئی رسی کی میڑھی کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر چڑھنے کے بعد اُسے عقبی حصے کے پانی میں زیادہ ڈوبنے کی وجہ معلوم ہوئی۔ جہاز کے عقبی حصے میں پانی بھرا ہوا تھا اور وہ ڈوب رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے دانستی کا کھول دیے ہیں تاکہ جہاز میں پانی بھر جائے لیکن شاید اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح جہاز کو ڈوبنے میں کئی دن لگیں گے۔ حادثے نے اندازہ لگایا کہ جہاز ابھی کم از کم بارہ گھنٹے تک نہیں ڈوبے گا۔

اُس نے ریوالور نکالا اور رسی کے لچھوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا۔ راستے میں رُک کر سن گن لی لیکن ہوا کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ آف کیبن کی طرف بڑھتا رہا۔ اچانک اُسے تعفن کا احساس ہوا۔ بدبو نہایت شدید تھی۔ وہ عرشے کی طرف جانے والے دروازے میں داخل ہوا اور بری طرح ٹھنکا۔ چھٹ گہرے پول میں کم از کم ایک درجن لاشیں پانی میں تیر رہی تھیں..... ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ کچھ لاشیں پھولی ہوئی تھیں اور اُن سے شدید تعفن اُٹھ رہا تھا۔ وہ سب لاطینی امریکا کے باشندے تھے اور اُنہیں شوٹ کیا گیا تھا وہ وہاں سے ہٹا اور عرشے کی طرف چل دیا۔ اُسی وقت ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ اُس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ہیلی کاپٹر اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ ٹوسیٹر ہیلی کاپٹر تھا۔ حادثہ ٹھہر گیا۔ سرد ہوا برچیوں کی طرح جسم کو کاٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کا بدن لرز رہا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا

کہ ہیلی کاپٹر ایٹکلن کے مکان سے آدھا میل دور والی ڈھلان سے اُڑا ہوگا۔

ہیلی کاپٹر خاصا قریب آ گیا تھا۔ پائلٹ کے برابر والی سیٹ پر سلوکم بیٹھا تھا۔ سلوکم نے اُسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ سلوکم نے پائلٹ کو کچھ حکم دیا۔ ہیلی کاپٹر خاصا نیچے آ گیا۔ حادثہ ریوالور داہنے ہاتھ میں لیے اُسے دیکھتا رہا۔ سلوکم اپنے ہاتھ کی طرف اشارے کر رہا تھا پھر اُس نے ایک ریڈیو جہاز کی طرف اُچھالا۔ وہ واکی ٹاکی ریسپور تھا۔ ویسا ہی دوسرا ریسپور سلوکم کے پاس تھا۔ حادثہ نے واکی ٹاکی اٹھایا اور تیز ہوا سے نیچنے کے لیے کیبن کی طرف چل دیا۔ کیبن میں پہنچ کر اُس نے ایریل کھینچا اور سوچ آج کر دیا۔ ”حادثہ! تم تک میری آواز پہنچ رہی ہے نا؟“ سلوکم اُسے پکار رہا تھا۔ حادثہ نے اُس کا جواب اثبات میں دیا۔

”نیچے تم نے کیا دیکھا؟“ سلوکم نے پوچھا۔

حادثہ نے ڈیک پر منڈلاتے ہوئے ہیلی کاپٹر کو دیکھا۔ اُس کے عرشے پر اُترتے ہی ہیلی کاپٹر نازل ہوا تھا۔ گویا سلوکم نے اُس پر نظر رکھی تھی لیکن کیوں؟ ”میں نے یہاں لاشیں دیکھی ہیں اور مجھے اس سوال کا جواب ملا ہے کہ الٹہ اور رین فیلڈ کو کس نے قتل کیا تھا۔“ بالآخر اُس نے جواب دیا۔ ”وہ تم تھے اور یہ لاشیں بھی تمہارا ہی کارنامہ ہیں۔ البتہ اس کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔“

”احتمالاً نہ باتیں مت کرو حادثہ۔ میں انہیں قتل کیوں کرتا..... اور رین فیلڈ کو کیوں قتل کرتا۔“

”یہ لاشیں کم از کم ایک ہفتہ پرانی ہیں۔ میرا خیال ہے، رین فیلڈ یہاں آیا ہوگا اور لاشیں دیکھ لی ہوں گی۔ تم ہر اُس شخص کو ٹھکانے لگاؤ گے جو اس سودے سے واقف ہے، میں اور مارکوس تمہارا آئندہ ہدف ہوں گے۔“

”خیر حادثہ، کبھی نہ کبھی تو تمہیں اس جہاز سے ٹکنا پڑے گا۔“ سلوکم نے چیخ کر کہا۔ اُس کی آواز دور ہوتی گئی۔ حادثہ نے باہر نکل کر دیکھا۔ ہیلی کاپٹر دور جا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں کے بعد دیکھتا رہا پھر جہاز کا جائزہ لینے کی غرض سے چل دیا۔

فلاننگ برج کے نیچے ایک کشادہ کیبن تھا۔ اس کے ساتھ ہی میزیں تھیں، جن کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سرچیوں پر روشنی تھی۔ یہ نیچے کوریڈور میں

بھی ایک بلب روشن تھا۔ حادثہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اچانک عقب سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ پلٹ ہی رہا تھا کہ اُس کے سر سے کوئی بھاری چیز نکل آئی اور اُس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔



اُسے ہوش آیا تو وہ کشادہ کیمین میں تھا۔ کیمین میں صرف پورٹ ہول کے راستے اندر آنے والی روشنی تھی۔ کمرے میں تیس کے قریب افراد تھے اور وہ واضح طور پر دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گوشے میں دولائیں پڑی تھیں۔ فضا میں موت کی بورچی ہوئی تھی۔ نو دس آدمی فرش پر بیٹھے تھے۔ دوسرا گروہ تعداد میں بڑا اور مسلح تھا۔ ایک گروہ قیدیوں کا تھا اور دوسرا گارڈ کا سب کی نگاہیں اُسی پر جمی ہوئی تھیں۔ حادثہ فوراً سمجھ گیا۔ قیدی کمیونٹ گوریلے تھے۔ جنہوں نے اُس پر بھی حملہ کیا تھا۔ جہاز انہی کا تھا لیکن اب وہ وہاں قیدی کی حیثیت سے موجود تھے۔ اُن میں سرخ کار کا وہ ڈرائیور بھی تھا، جس نے اُس روز اس پر فائرنگ کی تھی۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن وہ صورت حال کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا۔

اچانک کیمین میں دو آدمی داخل ہوئے انہوں نے حادثہ کو اشارے سے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ وہ جیسے تیسے کر کے اٹھا۔ سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اُس کے قدم ڈمگما رہے تھے۔ وہ اُسے اپنے ساتھ ایک کیمین تک لائے، کیمین کا دروازہ کھولا اور اُسے اندر دھکیل دیا۔ وہ یقینی طور پر پکتان کا کیمین تھا۔ میز کے عقب میں ایک کیم شیم آدمی بیٹھا تھا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“ اُس نے حادثہ سے کہا۔ ”کیا تم بیمار ہو؟“

حادثہ نے اُسے بغور دیکھا۔ وہ اُس کی حیثیت کے متعلق اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”مجھے جانتے ہو، پہلے کبھی دیکھا ہے مجھے؟“ جیمس آدمی نے پوچھا۔

”نہیں البتہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”جیمس آدمی نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ ”سلوکم سے واکی ٹاکی پر کیا بات

ہوئی۔ دھمکی دی ہوگی اُس نے؟ اب تم اُس کے لیے بے مصرف ہو۔ ٹھیک ہے نا؟“

”میں پوچھ رہا ہوں تم کون ہو؟“

”میرا نام فیلڈ مین ہے۔ ہم تمہارے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔ تم پرعرصے سے نظر ہے ہماری۔“

”تم کون ہو؟ اور نچلے حصے میں تمہارے ساتھی کون ہیں؟“ اس بار حادثہ جھنجھلا گیا۔ ”میرے ساتھیوں کا تعلق کینیڈین نیوی سے ہے۔ قیدی نکاراگوا کے کمیونٹ ہیں۔ میرا تعلق امریکا کے جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ میرا کام نکاراگوا کے سودے کی روک تھام کرنا ہے۔“

”تم بغیر وارنٹ کے مجھے یہاں زبردستی نہیں روک سکتے۔“ حادثہ نے سخت لہجے میں کہا۔

”مذاق مت کرو، تمہارے منہ سے قانون کا حوالہ اچھا نہیں لگتا۔ نہ ہی تم اس پوزیشن میں ہو کہ ہم سے کوئی مطالبہ کر سکو۔“

”اگر تمہارے پاس وارنٹ نہیں ہے تو میں جا رہا ہوں۔“

”تم وہی کرو گے جو ہم چاہیں گے۔“ فیلڈ مین کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ ”میرے پاس ڈیڑھ درجن تربیت یافتہ لڑاکے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اُن سے نمٹ سکتے ہو۔ بہر حال، ہم تم پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔“ میں تمہارا شمار دشمنوں میں نہیں کرتا۔“ فیلڈ مین نے کہا۔ ”تم اچھے پولیس مین تھے لیکن اب بد معاشوں کے آلہ کار ہو۔ تم سلوکم اور جگدیش کا شکار ہو۔ اُنہوں نے تمہیں استعمال کیا ہے۔ اُنہیں انجام تک پہنچانے کے لیے اب میں تمہیں استعمال کروں گا۔“

”تم اُنہیں یوں بھی پکڑ سکتے ہو، دونوں تمہاری دسترس میں ہیں“

”وہ دیکھ رہے ہو۔“ فیلڈ مین نے پورٹ ہول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حادثہ نے دیکھا وہ ایک جہاز تھا۔ ”وہ نکاراگوا والے ہیں اور اس جہاز کے کمیونسٹوں کو ختم کرنے کے لیے آئے ہیں، مجھے پہلے اُنہیں روکنا ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ وارنٹ دکھاؤ، ورنہ میں جا رہا ہوں۔“ حادثہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”حالانکہ تمہیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔ تمہارے سر میں چوٹ لگی ہے، تمہیں آرام ملنا چاہیے۔ پھر میں تمہارے ذریعے سلوکم اور جگدیش کے لیے جال بچھاؤں گا۔“ فیلڈ

مین نے کہا اور اپنے آدمیوں کو پکارا۔ وہ دروازے کے باہر ہی کھڑے تھے، فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔ ”اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔“ اُس نے اُنہیں حکم دیا۔

”مجھے ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔“ حارث نے چیخ کر کہا لیکن اُن دونوں کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ وہ اُسے دھکیلتے ہوئے ایک اور کیمین میں لے آئے۔ اُسے کیمین میں دھکیل کر اُنہوں نے دروازہ مقفل کر دیا۔

کیمین میں صرف ایک دیواری بستر اور ایک کرسی تھی۔ حارث نے بستر پر بیٹھ کر آنکھیں موند لیں اور صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ سر کی کی چوٹ اب بھی تکلیف دے رہی تھی اور ارنیکا ز کرنا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ قدموں کی آہٹیں ابھریں اور اگلے ہی لمحے کیمین کا دروازہ کھلا۔ اس بار دونوں آدمیوں کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔ اس کا اندازہ اُس کے بیک سے ہوا۔ حارث کی زبردست مزاحمت کے باوجود اُس کے بازو میں ایک محلول انجکٹ کر دیا گیا۔ اُس کے بعد وہ تینوں چلے گئے۔ وہ بستر پر لیٹا سوچتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ چند منٹ بعد وہ بے ہوش ہو جائے گا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور دور بین اٹھا کر پورٹ ہول کی طرف بڑھا۔ دوانے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے پورٹ ہول دوسرے جہاز کو دیکھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دوسرا جہاز آدمی میل کے فاصلے پر ہے، دور بین کی مدد سے اُس نے جہاز کا نام پڑھا۔ تارا سونا..... نکارا گوا عرشے پر چھ سات آدمی موجود تھے، پھر کچھ اور لوگ اوپر آئے۔ تعداد تیس تک پہنچ گئی۔ وہ رائفلوں اور ہلکے اسلحے سے لیس تھے پھر حارث نے جہاز کو لنگر انداز ہوتے دیکھا۔ اُسی لمحے اُس کے ہاتھ سے دور بین جھوٹ گئی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔



بیدار ہوتے ہی اُسے پہلا خیال یہ آیا کہ جہاز ڈوبا نہیں ہے۔ صبح ہو چکی تھی۔ اُس نے گھڑی دیکھی، سوا دس بجے تھے۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا اور منہ کا ذائقہ بگڑا ہوا تھا۔ اُس نے دور بین اٹھائی پھر اپنا ریوالور چیک کیا۔ ریوالور لوڈ تھا۔ اُس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ باہر نکل آیا۔ اُس نے پورے جہاز کا جائزہ لیا۔ جہاز پر کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ لاشیں البتہ اب بھی پانی میں تیر رہی تھیں۔ اُس کے علاوہ وہ جہاز پر تہا تھا۔ عرشے پر آکر اُس نے دور بین آنکھوں سے لگائی بندرگاہ پر نقل و حرکت کچھ زیادہ تھی۔ پولیس

کی چھ گاڑیاں سینٹ جان کی طرف سے آتی دکھائی دیں۔ ان میں مسلح پولیس مین موجود تھے۔ چند لمحے بعد گاڑیاں گودی کی دیوار کے پیچھے پارک کر دی گئیں۔ شاید اُنہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی تھی کہ اینگلن کے مکان سے اُنہیں نہ دیکھا جاسکے۔ گاڑیوں سے پولیس مین اترے بھی نہیں، وہ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب ہے پھر آواز سن کر وہ چونکا شامل کی طرف سے دو ہیلی کاپٹر آرہے تھے اور اُن کی رفتار بہت تیز تھی۔ چند لمحے بعد اُس نے انہیں اینگلن کے مکان کے سامنے والی برفانی میدان میں اترتے دیکھا۔ پائلٹ بہ دستور ہیلی کاپٹروں میں بیٹھے رہے۔ نچکھے چل رہے تھے، گویا وہ کسی بھی لمحے پرواز کے لیے تیار تھے پھر اینگلن کے مکان کا دروازہ کھلا۔ دو آدمی نکلے اور ہیلی کاپٹروں میں آ بیٹھے۔ حارث آخری لمحے میں اُنہیں شناخت کر سکا۔ ہیلی کاپٹر پھر فضا میں بلند ہو گئے۔ گودی کی دیوار کے پیچھے موجود پولیس کی نفری بہ دستور ساکت تھی۔

گویا آخری مرحلہ آپہنچا۔ وہ سودا تکمیل کو پہنچ رہا تھا، جس نے بے شمار انسانی جانوں کی بھینٹ لی تھی۔ سرمایہ دار ایک ملک خرید رہے تھے، جسے وہ سرمایہ داروں کی جنت بنانا چاہتے تھے۔ کچھ لوگ سودے کی تکمیل چاہتے تھے اور کچھ اُسے روکنے کے خواہش مند تھے۔ اچانک حارث کی سمجھ میں اپنی اہمیت آ گئی۔ کوئی جیتے، کوئی ہارے، دونوں گردہ اُسے چارے کی حیثیت سے استعمال کر رہے تھے۔ فیلڈ مین نے صاف کہہ دیا تھا۔ جگہ لیش اور سلوکم کے لیے وہ اُن کے جرائم کا ثبوت تھا، جسے مٹانا بہت ضروری تھا۔ فیلڈ مین کی خواہش تھی کہ وہ اُنہیں ثبوت مٹاتے ہوئے یا مٹانے کے بعد رنگے ہاتھوں گرفتار کرے۔ ہر صورت میں وہ مردہ آدمی تھا۔

وہ تیزی سے جہاز کے عقبی حصے کی طرف لپکا۔ اُسے توقع تھی کہ اُس کی بوٹ غائب ہوگئی ہوگی لیکن وہ موجود تھی۔ وہ تیزی سے اُترا۔ بوٹ کو کھولا اور اشار ٹرڈ با دیا۔ 24 گھنٹے سمندر کی سرد فضا میں رہنے کی وجہ سے انجن اشارٹ ہونے میں دشواری ہوئی۔ اُس نے بوٹ کا رخ موڑا پھر وہ دُہرا ہوا کر تھروئل پر بھکا اور اُس نے بوٹ کو پوری رفتار سے دوڑایا۔ سرد پانی اچھل اچھل کر اُسے بھگور رہا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ برف سے ڈھکے ہوئے ساحل پر وہ بہ آسانی نشانہ بن جائے گا لیکن وہ زیادہ دیر سمندر میں بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ کب تک رہتا، جب کہ وہ ساحل پر کئی دن تک اُس کا انتظار کر سکتے تھے۔

اتنی دیر میں پہلا ہیلی کاپٹر سر پر آ پہنچا۔ پائلٹ کے برابر سلوکم بیٹھا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ حادثہ نے اوپر نگاہ کی۔ سلوکم کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ وہ شکار کھیل رہا تھا۔ اُسے تھکا کر سکون سے شکار کرنا چاہتا تھا پھر حادثہ نے دوسرا ہیلی کاپٹر دیکھا جو نیچے پرواز کر رہا تھا۔ اُس میں پائلٹ کے برابر جگدیش رائفل لیے بیٹھا اُس کا نشانہ لے رہا تھا۔ حادثہ زیر لب پولیس کو گالیاں دینے لگا، جو خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی تھی۔ یقینی طور پر انہیں فیلڈ مین نے اس وقت تک انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی، جب تک وہ دونوں اُسے قتل نہیں کر دیتے۔

اب بوٹ میں اچھل کر آنے والے پانی کی سطح ایک انچ سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن اُس کی رفتار بہر حال ہیلی کاپٹر سے زیادہ تھی اور وہ ساحل کے قریب پہنچ رہی تھی۔ اُس کا رخ گودی کی طرف نہبر، بلکہ برف سے ڈھکے ہوئے متروک ساحل کی طرف تھا پھر اچانک شدید جھٹکا لگا برف اچھلی اور حادثہ برف پر بوٹ سے باہر آگے جا کر گرا تقریباً اسی وقت دونوں ہیلی کاپٹر بھی آپہنچے۔

پہلی گولی اُس کے کندھے پر لگی لیکن وہ دیوانہ وار بھاگتا رہا۔ گولیاں تو اتار سے برس رہی تھیں لیکن وہ لہراتے ہوئے بھاگ رہا تھا۔ کچھ ہیلی کاپٹر کے متحرک ہونے کی وجہ سے بھی نشانے خطا ہو رہے تھے۔ وہ اسٹیکن کے مکان سے کوئی تین سو گز دور تھا۔ خون ضائع ہونے کی وجہ سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔ درد اُس پر مستزاد تھا۔ اُس نے تیزی سے شرک کر اس کی۔ لڑکھڑا کر گرا اور سنبھل کر دوبارہ بھاگا۔ اب اُس کے سامنے چڑھائی تھی اور نقاہت کے پیش نظر وہ جان لیوا چڑھائی تھی۔ ہیلی کاپٹر بہ دستور پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن شاید شکاریوں نے تحریک کم کرنے کے لیے اُن کی رفتار کم کرادی تھی۔

پھر وہ ڈھلان تک پہنچ گیا۔ پہلی بار اُسے خیال آیا کہ وہ بچ سکتا ہے۔ اُس نے صنوبر کے جھنڈ تک پہنچنے کے لیے جان لڑادی۔ اُسے اندازہ تھا کہ یہاں ہیلی کاپٹر لینڈ کریں گے تو اچھا خاصا برفانی طوفان آئے گا اور لوگ کچھ دیر اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔ وہ جھنڈ سے کچھ دور تھا کہ جگدیش اور اُس کے پائلٹ کو غلطی کا احساس ہو گیا کہ نیچے پرواز کی صورت میں وہ اپنے شکار کو کھو بیٹھیں گے لیکن ہیلی کاپٹر بلند ہوتے ہوتے حادثہ جھنڈ تک پہنچ گیا تھا۔ ہیلی

کاپٹر کی آواز اب اوپر سے، کچھ دور سے سنائی دے رہی تھی۔ حادثہ جھاڑیوں میں گھس گیا، لیکن وہ جانتا تھا کہ رُکنے کا مطلب موت ہے، وہ ہیلی کاپٹر اُتاریں گے اور پیدل ہی اُس کے پیچھے آئیں گے۔

درد اب ضبط کی حدود سے گزرنے والا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ خون کی کمی کی وجہ سے وہ کسی لمحے بے ہوش ہو سکتا ہے۔ اُسے بے ہوشی سے اس کمزوری سے لڑنا تھا، ورنہ اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اُس نے ہیلی کاپٹر کے اُترنے کی آواز سنی لیکن ہیلی کاپٹر کی آواز تو اوپر سے بھی آرہی تھی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک ہیلی کاپٹر برفانی میدان میں اُتر گیا تھا جبکہ دوسرے کی آواز مغرب کی سمت سے آرہی تھی۔ وہ بڑھتا رہا، پہاڑوں کے برفانی دامن کی طرف۔ کچھ اوپر جانے کی صورت سے وہ بچ سکتا تھا۔ اتنی پھسلواں جگہ پر ہیلی کاپٹر کو نہیں اُتارنا جاسکتا تھا۔ وہ اپنے کندھے میں لگنے والی گولی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر ایسی کون سی نس کٹ گئی تھی کہ اتنا خون بہہ رہا تھا۔ اُس کی قمیص آگے اور پیچھے دونوں طرف سے چھپچھا رہی تھی۔ کمزوری کی وجہ سے اُسے ریوالور کا بوجھ بھی بہت زیادہ معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ اسے پھینک دے۔ یوں بھی رائفلوں کے سامنے اُس کی کیا بساط تھی۔

ہیلی کاپٹر کی آواز قریب سے سنائی دی۔ اُس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سلوکم والا ہیلی کاپٹر تھا۔ ایک لمحے کے لیے سلوکم سے اس کی نظریں ملیں۔ سلوکم نے رائفل والے ہاتھ کو حرکت دی لیکن تاخیر ہو گئی۔ ہیلی کاپٹر کی رفتار بہت تیز تھی۔ حادثہ اب چڑھائی کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ ستم ظریفی تھی کہ آخری کوشش کے لیے زیادہ توانائی درکار تھی۔ پہاڑ کے دامن کی برف نرم تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹنوں تک برف میں ڈھنس گیا۔ اُس نے چڑھائی پر ایستادہ درختوں کی جڑوں کو پکڑ کر چڑھنا چاہا لیکن گرفت کا مسئلہ تھا۔ اُس نے ایک درخت سے ٹیک لگائی اور سلوکم کے ہیلی کاپٹر کو چکراتے دیکھتا رہا دو سو گز پیچھے دوسرا ہیلی کاپٹر اُترا ہوا تھا۔ پائلٹ ہیلی کاپٹر کے پاس ہی کھڑا تھا۔ جگدیش اپنی رائفل کے سہارے چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں رائفل کے علاوہ واکی ٹاکی بھی تھا۔ وہ اس پر یقیناً سلوکم سے اس کے متعلق رپورٹ لے رہا ہوگا۔ حادثہ نے گھٹنے کے بل جھکتے ہوئے ریوالور سنبھالا۔ سلوکم کا ہیلی کاپٹر نیم دائرے کی صورت میں حرکت کر کے واپس آ رہا تھا۔ حادثہ نے احتیاط سے نشانہ لیا۔ سلوکم کا نہیں.....

پالٹ کا، جو ہیلی کا پٹر کو اتارنے کے لیے مناسب جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ سلوکم نے ابھی تک حارث کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ پالٹ کو ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ حارث نے ریوالور کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور فائر کر دیا۔ پہلے دو فائروں نے شیشہ توڑا۔ تیسری اور چوتھی گولی رائیگاں گئی لیکن پانچویں گولی پالٹ کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ وہ ایک کریہہ چیخ مار کر ڈھیر ہوا۔ شاید مرتے مرتے اُس کا ہاتھ کسی لیور پر لگا کیونکہ ہیلی کا پٹر کی رفتار بڑھ گئی اور اُس کا رخ اوپر کی طرف ہو گیا۔ سلوکم نے اندھا دھند اُسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہیلی کا پٹر کو نہ سنبھال سکا۔ حارث نے اُس کے چہرے پر دہشت کا تاثر دیکھا۔ ہیلی کا پٹر پوری رفتار سے نیچے آ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ ناک کے بل برف سے ٹکرایا اور دھماکے سے پھٹ گیا۔

دھماکے کے نتیجے میں حارث سے ذرا دور برف کا پچاس گز کا توہ اپنی جگہ سے ہٹا اور پھسلنے لگا۔ حارث سحر زدہ معمولی کی طرح وہ منظر دیکھتا رہا۔ تو دے کی رفتار تیز ہو گئی۔ پہلے اُس کی زد میں آگے بڑھتا ہوا جگدیش آیا اور اس کے بعد پالٹ اور ہیلی کا پٹر کی بادی تھی۔ چند ہی لمحوں میں صنوبر کے جھنڈ سمیٹ ہر چیز نابود ہو چکی تھی۔

حارث خاموشی سے منظر تبدیل ہوتے دیکھتا رہا۔ اُسے احساس ہوا کہ وہ اُن سے جیتنے کے باوجود ہار گیا تھا۔ اس درجہ حرارت میں اتنا خون ضائع ہونے کے باوجود یہ بات ناقابل یقین تھی کہ وہ ایک گھنٹا جمیل گیا تھا لیکن قریب ترین آبادی آدمی میل دور تھی اور اب وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔ یوں بھی اب اُس کی پروا کسے تھی۔ پولیس کا کام سلوکم اور جگدیش کی موت کے ساتھ ہی مکمل ہو چکا تھا۔

یہ سوچتے سوچتے وہ ہوش سے بے ہوشی کی پرسکون وادی میں پھسل گیا۔



ہوش میں آتے ہی اُس نے جو آواز سنی وہ اُسے وہم معلوم ہوئی۔ ویسے بھی وہ پوری طرح ہوش میں نہیں تھا بلکہ وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت تھی۔ اُس نے کوشش کر کے سر اٹھایا۔ اُس سے پچاس فٹ دور ایک بڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ کسی کو پکار رہا تھا۔ ”ٹونی..... اے ٹونی..... بدتمیزی مت کرو، یہاں آؤ تم بہت برے ہو۔ آؤ، ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا، گندے کہیں کے۔“

”بڑھے آدمی کی پشت حارث کی لطف تھی۔ حارث نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی کہ بڑھا کس سے مخاطب ہے۔ اور وہ دوست ہے یا دشمن پھر اُس نے بھونکنے کی آواز سنی، گویا بڑھا اپنے کتے سے باتیں کر رہا تھا۔ حارث نے اپنی توانائیاں مجتمع کیں اور کھڑے ہو کر بڑھے کو آواز دی۔ وہ آواز محض ایک بے معنی چیخ تھی۔ اُس کے ساتھ ہی ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

دوسری بار اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کا لباس تبدیل تھا۔ کندھے کے زخم سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھی۔ زبان پر دواؤں کا تلخ ذائقہ تھا۔ شاید اسی لیے تکلیف قابل برداشت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بیڈ پر تھا۔ اُس نے سر گھما کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اس وقت ایٹکن کے مکان میں ہے۔ سامنے خلیج کا پانی نظر آ رہا تھا۔ وقت کے بارے میں اس کا اندازہ تھا کہ دوپہر ہے۔ اُس کی کلائی پر بندھی گھڑی موجود نہیں تھی۔ کمرے میں کوئی کلاک بھی نہیں تھا۔

اُس کی معمولی سی نقل و حرکت پر فوری رد عمل ظاہر ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک پولیس مین نے جھانکا۔ ”میں مسٹر فیلڈ مین کو بلاتا ہوں۔“ اس نے کہا اور ایک طرف چلا گیا۔ چند لمحے بعد فیلڈ مین کمرے میں داخل ہوا۔ ”اب کیا حال ہے؟“ اس نے حارث سے پوچھا۔ حارث خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ وہ سوال کم از کم فیلڈ مین کی زبان سے بے معنی معلوم نہ رہا تھا۔ ”وقت کیا ہوا ہے؟“ اُس نے پوچھا۔ اپنی آواز کی نقاہت پر اُسے خود بھی حیرت ہوئی۔

فیلڈ مین نے گھڑی دیکھی اور بولا۔ ”بارہ بج کر بیس منٹ۔ تم چوبیس گھنٹے سے بے ہوش ہو۔ آپریشن کر کے گولی نکالی جا چکی ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ زندہ ہو۔“

”لعنت ہو تم پر۔“

فیلڈ مین چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر قریب پڑی ہوئی کرسی تھکیٹ کر حارث کے قریب بیٹھ گیا۔ ”افسوس! تم منطقی آدمی نہیں ہو۔ اصولاً تمہیں جیل کے استپالوں میں ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس کی مخالفت کی اور اب تم مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ شاید اس لیے کہ تم صورت حال سے ناواقف ہو۔ تمہیں معلوم بھی ہے کہ کیا ہو رہا تھا۔“

حارث نے جواب نہ دیا۔ وہ فیلڈ مین کی بے پناہ خود اعتمادی کے بارے میں سوچ

رہا تھا۔

”میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ فیلڈ مین نے کہا۔ ”تم جگد لیش کے لیے کام کر رہے تھے اور میرا تجربہ ہے کہ جگد لیش جیسے لوگ انسانوں کو اشیاء کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ دار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا قصور نہیں، اپنے مقام تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے حریفوں کو روندنا پڑتا ہے اور وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جگد لیش کارپوریشن کے نزدیک تمہاری حیثیت ایک کم اخراجات والے تفتیشی پس کی تھی۔ دوسری طرف جنرل انٹونیو سموزا کے پاس تمہارا فیم البدل مارکوس کی صورت میں موجود تھا۔ تمہیں نکاراگوا کے کیونسٹوں کی توجہ اصل سرگرمیوں کی طرف سے ہٹانے کے سلسلے میں استعمال کیا گیا۔ ڈیل مکمل ہونے ہی تم لوگ بے مصرف ہو گئے۔“

حارث سوچ رہا تھا کہ شاید فیلڈ مین اُس تیسرے گروہ کا لیڈر ہوگا جس کا تذکرہ مارکوس نے کیا تھا۔ کینیڈین پولیس کا لیڈر پھر اُس کی نظرفون کی طرف اٹھ گئی۔ اُسے خیال آیا کہ یہ فون بگڑ ہے۔ اس پر ہونے والی گفتگو ٹورسٹ ہاؤس میں رین فیلڈ کے کمرے میں موجود کیسٹ ریکارڈ پر ریکارڈ ہوگی۔ ”سنو، مجھے پانی پلا دو پلیز۔“ اُس نے فیلڈ مین سے التجا کی۔

”ابھی لایا۔“ فیلڈ مین نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حارث نے پہلو بدلا اور ٹیلی فون انسٹرومنٹ میز سے اٹھا کر بیڈ کے نیچے پہنچا دیا۔ ایسا کرنے میں اس پر قیامت گزر گئی لیکن اب تک وہ قوت ارادی کے ناجائز استعمال کا عادی ہو چکا تھا پھر اُس نے ریسیور کرڈیل سے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اب اس کمرے میں ہونے والی بات رین فیلڈ کے کمرے میں ریکارڈ ہوتا تھا۔

فیلڈ مین نے اُسے پانی دیا۔ وہ پانی پیتے ہوئے فیلڈ مین کو دیکھتا رہا، جسے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے انسٹرومنٹ کے غائب ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا

اُس نے حارث سے خالی گلاس لے کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر اُسی جگہ رکھ دیا، جہاں کچھ دیر پہلے ٹیلی فون رکھا تھا پھر وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ”ہم عرصے سے جگد لیش کی سفارتی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ رین فیلڈ کی ایجنسی سے کام لینے پر ہمیں پتا چلا کہ جگد لیش کو مارکوس

نامی ایک شخص کی تلاش ہے۔ چونکہ موت، رین فیلڈ ہمارا ساتھی تھا۔

”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ جگد لیش اُس تو دے سے بچا۔۔۔۔۔ یا نہیں؟“

نہیں اس کی لاش مل چکی ہے۔ خیر، تو میں کیا کہہ رہا تھا۔ امریکی آئین میں ایسی کوئی شق نہیں، جس کی رو سے ایک کمپنی کی امریکا سے کسی دوسرے ملک میں منتقلی ممنوع ہو لیکن میرے خیال میں ایک ان لکھا قانون موجود ہے۔ بزنس درحقیقت ہر جگہ حکومت کا۔۔۔۔۔ دوسرے لفظوں میں ریاست کا اور عوام کا ہوتا ہے۔ چنانچہ تجارت سے حکومت کی علیحدگی کا تصور سراسر احمقانہ ہے۔ اس لحاظ سے ان احمق سرمایہ داروں کو اس حماقت کی اجازت نہیں دی جاسکتی تھی۔ وہ سسٹم سے غداری کر رہے تھے۔“

”جن لوگوں کے احکامات پر تم نے عمل کیا، وہ خوش ہیں۔۔۔۔۔ نتائج سے مطمئن ہیں؟“ حارث نے پوچھا۔

فیلڈ مین چند لمحے اس کے سوال کو تولتا رہا پھر بولا۔ ”یہ یاد رکھو کہ میں نے یہ سب کچھ شروع نہیں کیا تھا۔ احمقوں کا ایک ٹولہ تھا، جو سمجھتا تھا کہ دو ہزار سال پر پھیلی ہوئی تاریخ و ثقافت کے حامل ملک کو خریدنا جاسکتا ہے، کسی ٹیلی وژن کی طرح۔“

”لیکن یہ کام تو حکومتیں بھی کرتی رہی ہیں۔ پسماندہ ممالک میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرنا اور ان کی مدد کرنا، یہ بھی تو وہی کام ہے۔“

”تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میرے پاس میری کارکردگی سے خوش ہیں۔“ فیلڈ مین نے جلدی سے موضوع بدلا۔ ”میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ ممکن ہے، تاریخ ثابت کرے کہ انہوں نے غلط آرڈر دیا اور میں غلط آرڈر پر عمل پیرا ہوا۔ عین ممکن ہے، آنے والے دنوں میں نکاراگوا پر کیونسٹوں کی حکمرانی ہو۔ میرا خیال ہے، ہم نے سرمایہ داروں کو روک کر غلطی کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ دس سال کے اندر اندر براعظم امریکا میں جنگ ہوگی۔ ہمارے اور کیونسٹوں کے درمیان۔ ہمارا آج کا عمل اُس وقت کے نتائج پر اثر انداز ہوگا۔ ہم نے نکاراگوا کو کیونسٹوں کی طرف دھکیل دیا ہے۔“

حارث کو بین الاقوامی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو فیلڈ مین سے کام کی بات اُگلوانا چاہتا تھا۔ ”مجھے یہ بتاؤ کہ پولیس تماشا دیکھتی رہی جبکہ دو آدمیوں نے مجھے قتل کرنے

کی کوشش کی، کیوں؟“

”جواب تم جانتے ہو۔ ہمارے پاس جگدیش اور سلوکم کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ البتہ تمہارے قتل کا ثبوت ہم عدالت میں پیش کر سکتے تھے ہمیں ثبوت کی فکر تھی۔“ فیلڈ مین نے کہا۔ ”میں تمہاری مدد کے لیے کچھ لوگوں کو بلواتا ہوں۔ ابھی تمہیں ہمارا ایک چھوٹا سا کام اور کرنا ہے۔“



دو آدمی حارث کو سہارا دے کر نیچے لائے۔ باہر دو کاریں کھڑی تھیں۔ فیلڈ مین چند سادہ لباس والوں کے ساتھ ایک کار میں بیٹھا تھا۔ حارث کو دوسری کار میں بٹھا دیا گیا۔ سفر شروع ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے اُس سفر کی سمت مغرب تھی۔ سینٹ اوریل سے دس میل دور گاڑیاں رکیں۔ سامنے ہی ساحل تھا جہاں کچھ افراد موجود تھے۔ ایک پولیس فوٹو گرافر تصویریں کھینچنے میں مصروف تھا۔ اُن سب کی توجہ کا مرکز ربر کی ایک چھوٹی کشتی تھی، جسے وہ لوگ کنارے پر کھینچ لائے تھے، اُس میں دو افراد موجود تھے۔ فیلڈ مین کار سے اُترا اور اُس نے حارث کو اُترانے کا اشارہ کیا۔

دونوں پولیس والوں نے حارث کو سہارا دے کر اُتارا۔ ہوا بہت تند و سرد تھی۔ وہ پانچ منٹ میں کشتی تک پہنچے۔ ”انہیں شناخت کرو۔“ ایک پولیس مین نے کہا۔ کشتی پر برف کی ایک انچ سے زیادہ موٹی تھ تھی۔ اُس میں موجود دونوں افراد کا بھی یہی حال تھا۔ وہ برف میں دفن ہو گئے تھے اور وہ مارکوس اور ایملکن تھے۔ اُن کے جسموں پر چڑھی ہوئی برف کی تہ شفاف تھی۔ مارکوس کی پیشانی میں سوراخ تھا۔ اُسے شوٹ کیا گیا تھا جب کہ ایملکن کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ برف نے اُنہیں گرنے نہیں دیا تھا اور تنے ہوئے بیٹھے تھے۔

اس بار اُسے فیلڈ مین کی کار کی طرف لایا گیا۔ حارث کے قدم ڈگدگار ہے تھے۔ سرد ہوا ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ فیلڈ مین نے اُس کے کار میں بیٹھنے ہی پوچھا۔ ”مارکوس اور ایملکن ہیں نا؟“

حارث نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ان کی موت کیسے واقع ہوئی؟“ اس نے پوچھا۔

”کشتی میں ایک واکر بھی تھا۔“ فیلڈ مین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”پانچ میل دور ایک کار بھی ملی ہے، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اندازہ ہی لگا سکتا ہوں کہ مارکوس کو اُس کے آقاؤں نے ٹھکانے لگایا۔ جب کہ ایملکن سردی کی وجہ سے مرا۔“ وہ پھر ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔ ”ایملکن کے مکان چلنا ہے۔“

کار میں پانچ منٹ خاموشی رہی پھر حارث نے پوچھا۔ ”تم تمام پارٹیوں سے واقف تھے تو شروع ہی میں انہیں کیوں نہ گرفتار کر لیا۔“

”بہتر نتائج کی خاطر مجھے انتظار کرنا پڑا۔“

”کیسے بہتر نتائج؟“

”دیکھ لو، ان سبھوں نے ایک دوسرے کو ختم کر دیا۔ اس سے بہتر انجام ممکن ہی نہیں تھا۔“

”اور ان کے بارے میں کیا کہو گے، جو بے قصور تھے۔“ حارث نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”مثلاً الزبتھ جیرٹ۔“

”بے قصور تھی وہ؟ وہ مارکوس کی ساتھی تھی، محبوبہ تھی۔“

”کبھی اُس سے ملے بھی ہو؟“

”نہیں۔“

”اور تم نے اُسے قتل ہو جانے دیا؟“

”میں پھر دہراؤں گا کہ وہ مارکوس کی محبوبہ تھی۔“

”میں تمہارا یہ جرم کبھی معاف نہیں کروں گا۔“

فیلڈ مین نے زوردار ہتھکڑیاں لگایا۔ ”اوہ، تو تم مجھے مجرم ٹھہرا رہے ہو، جبکہ میں نے تم پر کوئی الزام نہیں لگایا۔ تمہیں ہر جرم سے بری سمجھا۔ حالانکہ تم ملوث تھے۔ صرف اسی لیے کہ تم گناہ اور غیر اہم ہو۔ تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ بس تم مارکوس کو شناخت کر سکتے تھے۔ تم سلوکم اور جگدیش کے خلاف ثبوت مہیا کر سکتے تھے، سمجھے؟“



15 اپریل 76ء کو سہاش گپتا نے ٹی ڈبلیو اے کا بونٹک 707 سو کھنے کے لیے چارٹر

کیا۔ جہاز کو پہلے میکسیکو سے فیول لینا تھا اور پھر پانچ ملکوں پر پرواز کر کے ماناگوا پہنچنا تھا۔ اُس میں عملے کے سات افراد، سبھاش اور اُس کے ساتھیوں کے نو نمائندوں اور نکاراگوا کے وزیر خزانہ اور اُس کے نو ساتھیوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس فلائٹ کے دوران معاہدے پر دستخط ہوتا تھے۔ ان تمام افراد کے لیے کھانے کا انتظام کینٹرنگ کمپنی نے کیا تھا۔

کینٹرنگ کمپنی کے اسٹاف کی تعداد 112 تھی۔ بیشتر عملہ فریزنگ اور پیکنگ کے شعبے سے متعلق تھا۔ سبھاش کی فلائٹ سے ایک ہفتہ پہلے فریزر روم کے کنٹرول سپروائزر نے کینٹرنگ منیجر کو فون کر کے بتایا تھا کہ وہ بیمار ہے اور ایک ہفتہ کام پر نہیں آسکے گا۔ تاہم اُس کا سالہ آیا ہوا ہے اور وہ اس کام کا ماہر ہے، اگر منیجر مناسب سمجھے تو اس سے کام لے لے۔

سپروائزر کا سالہ بہت ذہین آدمی ثابت ہوا۔ اُس نے بہت جلدی کام پر قابو پا لیا۔ منیجر نے مطمئن ہو کر اُسے رکھ لیا۔ نیا آدمی بے حد کم گوار کم آ میر تھا۔ اُس نے اپنا نام جوزف بتایا تھا جو کہ درست نہیں تھا۔ وہ فریزنگ روم کے کنٹرول سپروائزر کا سالہ بھی نہیں تھا۔ زندگی کے 42 سال میں سے 25 سال اُس نے لقب زنی کی بدولت خوشحالی میں گزارے تھے۔ وہ اپنے کام میں اتنا کامیاب تھا کہ ایف بی آئی بھی کئی بار اُس سے کام لے چکی تھی۔ 5 اپریل کی صبح کام پر آنے سے پہلے ہی اُسے علم تھا کہ اُسے ایک پرواز کے سلسلے میں کچھ افراد کے لیے کھانا تیار کرنا ہے۔

وکیلوں نے معاہدے پر دستخط کے لیے حیرت انگیز اسکیم تیار کی تھی۔ معاہدے پر دستخط پانچ ملکوں کی فضا میں پرواز کے دوران ہوتا تھے۔ گویا اُن لوگوں پر کہیں مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا تھا۔ کوئی ایک ملک بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ معاہدے پر دستخط اُس کی حدود میں ہوئے تھے۔ جوزف کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس کے لیے کام کر رہا ہے پہلی بار فون پر بات ہوئی تھی۔ اُس کے بعد دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ جوزف کا خیال تھا کہ وہ ایف بی آئی کے لوگ ہیں۔ تاہم وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ دوسری ملاقات کے وقت اُسے ایک ہانپوڈرک سرنج دی گئی تھی۔ کنٹرول سپروائزر کو وہ پہلے ہی توڑ چکے تھے۔ معاوضہ جوزف کو بھی بہت اچھا ملا تھا۔ اُسے ایک مخصوص ڈش میں سرنج کا محلول شامل کرنا تھا اور یہ کوئی بڑا کام نہیں تھا۔



البرٹ اُس وقت اپنے بورڈ روم میں تھا۔ میٹنگ میں چار افراد اور شریک تھے۔ ماکنوس نامی یونانی، ادناس کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ڈین اور جارج بہ نفس نفیس موجود تھے۔ چوتھا ہارڈ ہیوز کا نمائندہ ولیم تھا۔ میٹنگ نکاراگوا کے سودے کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔

البرٹ نے سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر نظر ڈالی اور بات شروع کی۔ ”حضرات! اب سے چند گھنٹے بعد معاہدے پر دستخط ہو جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس انداز میں بات کروں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھے کالی بھیڑ قرار دیں۔ سبھاش گپتا کو آپ میں سے کچھ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ مجھے یہ ڈیل پسند ہے لیکن اس کا ایک حصہ ایسا ہے، جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔“

جارج نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں ان باتوں کا وقت نکل چکا ہے۔ ویسے بھی ہم نے اس سلسلے میں سبھاش اور جگدیش کو مکمل اختیارات تفویض کیے ہیں۔“

”ایسی بات نہیں ہے، بات کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے۔“ البرٹ نے کہا۔ ”سبھاش نے اثاثوں اور صنعتوں کی منتقلی کے لیے ایک سال کی شرط عائد کی ہے اور میں ایک سال انتظار نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں تم سے متفق ہوں۔“ ڈین نے کہا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ سبھاش کا فیصلہ مناسب ہے۔“

”اور میری چھٹی حس بتاتی ہے کہ وہ غلطی پر ہے۔ جنرل انونیو کو ایک ارب ڈالر دے دو، مجھے یقین ہے کہ چھ ماہ بعد وہ مزید رقم طلب کرے گا۔ ملک میں ہنگامے کروادے گا۔ ہماری سرمایہ کاری خطرے میں پڑ جائے گی۔“

”لیکن مجھے یقین ہے کہ پچاس دن کے اندر ملک پر ہمارا کنٹرول ہو گا۔“ ولیم نے کہا۔ البرٹ جانتا تھا کہ ہارڈ ہیوز سبھاش کی ذہانت اور قوت فیصلہ پر کتنا اعتماد کرتا ہے۔ ولیم ہارڈ ہیوز کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ ویسے بھی اب کیا ہو سکتا ہے۔ سبھاش آج معاہدے پر دستخط کر دے گا۔“ ولیم نے مزید کہا۔

”میں ایک بات اور بتا دوں۔“ البرٹ نے تیز لہجے میں کہا۔ ”مجھے سبھاش اور

جگہ لیش کی حکمرانی پسند نہیں۔ میں ایک سال انتظار نہیں کر سکتا۔ اس معاملے میں بورڈ کی صدارت کا چکر نہیں چلنا چاہیے۔ ہم گیارہ پارٹنرز ہیں..... مساوی۔ ہمارے درمیان جمہوریت چلنی چاہیے۔ میں اس جہاز پر سہاش گپتا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا میں صرف اپنی طرف سے بات کروں یا مجھے آپ لوگوں کی نمائندگی کا حق بھی حاصل ہے۔ یہ ایک نفسیاتی لمحہ ہے۔ سہاش معاہدے پر دستخط کرنے والا ہے۔ اُسے میری بات ماننا ہوگی۔ وہ اس مرحلے پر سودا ختم نہیں کرنا چاہیے گا۔ وہ مجبور ہوگا۔ دیگر چاروں افراد سوچتے رہے۔

”ہمیں سہاش کو احساس دلادینا چاہیے کہ وہی سب کچھ نہیں ہے۔ ہم بھی ہیں۔ ہمارے اشتراک کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

وہ چاروں بہ دستور سوچ رہے تھے۔ اُن کی طرف سے اب تک اقرار تھا نہ انکار۔ اچانک فون کی کھنٹی بجی۔ البرٹ نے دانت پیٹے ہوئے ریسپورڈ اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں چیخ کر کہا۔ ”میں نے کہا تھا کوئی کال ریسپورڈ نہیں کروں گا۔“ پھر وہ چند لمحے سنتا رہا۔ ”ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں، یہ کہہ کر اُس نے ریسپورڈ رکھا اور بورڈ روم سے نکل گیا۔ دو منٹ بعد وہ واپس آیا تو دہلا ہوا تھا۔ نگاہوں سے بے یقینی جھلک رہی تھی۔ اُس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”حضرات! ایک ناقابل یقین خبر ہے..... سہاش گپتا مر گیا ہے۔“

کارپنکٹن کے مکان کے صدر دروازے کے سامنے ٹک گئی۔ حارث نے کندھے کی تکلیف کو منبھ کرتے ہوئے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے فیلڈمین کو دیکھا۔ اُس کا اندازہ تھا کہ فیلڈمین اسی کے بارے میں سوچ رہا ہے پھر فیلڈمین اُترا اور مکان کے اندر چلا گیا۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں حارث کو ریوالور اور پاسپورٹ تھا۔ اُس نے دونوں چیزیں حارث کی طرف بڑھا دیں ”ریوالور خالی ہے۔ میرا خیال ہے، تم اسے پوری طرح استعمال کر چکے ہو۔“ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔ سب بھول جاؤ اور زبان بند رکھو۔“

اور تم..... تم کچھ نہیں پاؤ گے، میں تمہارے کام آیا ہوں۔“

”تم خوش قسمت ہو کہ زندہ ہو۔“

”خیر، ایک سوال کا جواب دو۔ نکاراگوا کا جہاز حملہ کئے بغیر کیوں چلا گیا؟ تم نے کہا تھا کہ وہ حملہ کرنے کی غرض سے آیا ہے۔“

فیلڈمین چند لمحے سوچتا رہا پھر اُس نے جب سے نیویارک ٹائمز کا پہلا صفحہ نکال کر حارث کی طرف بڑھا دیا۔ جوتہ کیا ہوا تھا ”یہ کل کا اخبار ہے۔“

حارث نے صفحہ کھول کر اُس کا جائزہ لیا۔ اُس کے کام کی ایک ہی خبر تھی..... دہلا دینے والی خبر۔ فلائٹ کے دوران مشہور سرمایہ دار سہاش گپتا پر اسرار موت..... موت کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔

”سہاش گپتا کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو گیا تھا، اس لیے جہاز واپس چلا گیا۔“

”سہاش گپتا کی موت سے تمہارا کوئی تعلق ہے؟“ حارث نے پوچھا۔

”یہ کیا بکواس ہے۔“ فیلڈمین نے غصے سے کہا پھر وہ ڈرائیور سے مخاطب ہو گیا۔ ”یہ جہاں جانا چاہیے، اسے ڈراپ کر دو لیکن ایرپورٹ جائے تو بہتر ہے۔“ وہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ ”میں نیویارک جا رہا ہوں، اخبار والوں سے بات کروں گا۔ میں نے ابھی کو کچھ کہا، اُسے بکواس نہیں سمجھنا، میں تمہارے خلاف وکیل بھی کروں گا۔“

فیلڈمین نے پلٹ کر اُسے دیکھا اور بغیر کچھ کہے مکان میں داخل ہو گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی ریورس کی اور باہر نکال لی۔ حارث نے ریوالور اور پاسپورٹ پارک کی جیب میں رکھا اور ڈرائیور کو مسز ڈالٹز ٹورسٹ ہاؤس چلنے کی ہدایت دی۔ ”وہاں سے مجھے سامان لینا ہے پھر میں ٹیکسی میں ایرپورٹ چلا جاؤں گا۔“ اُس نے وضاحت کی۔ ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

حارث کے لیے بیڑھیاں چڑھنا دو بھر ہو گیا درد اور کمزوری نے مل کر اُسے نڈھال کر دیا۔ کمرے میں پہنچ کر پانچ منٹ اُسے آرام کرنا پڑا پھر وہ اٹھا اور اُس نے ٹیپ ریکارڈ چیک کیا۔ فیلڈمین کی آواز اور الفاظ واضح تھے۔ اُس نے کیسٹ نکالا اور جیب میں رکھ لیا۔ فیلڈمین، الزبتھ کے قتل کا ذمے دار تھا۔ وہ اس کے عوض اُسے تباہ کر دینا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ کیسٹ بہت کافی تھا۔

پھر اُس نے بیورو کی دراز کھولی۔ رین فیلڈ کے کپڑوں کے نیچے کارتوسوں کا بکس اب بھی موجود تھا۔ اُس نے ریوالور لوڈ کیا اور اپنا بریف کیس اُٹھا کر کمرے سے نکل آیا۔ ٹورسٹ ہاؤس کے عقب میں اُس کی پنچو کار موجود تھی۔ اُس نے ریوالور برابر والی سیٹ پر رکھا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ کار کا رخ سینٹ جان ایئر پورٹ کی طرف تھا۔

اُس کی کار جیسے ہی کارنر پر مڑی، عنابی کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے انجن اسٹارٹ کیا۔ اس کی برابر والی سیٹ پر بھی ریوالور کھاتھا لیکن وہ اخبار ڈھکا ہوا تھا۔ اُس شخص نے زیر لب مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ وہ حادثہ کا تعاقب کر رہا تھا.....

